جون 1998ء صفر 1419ھ

اللہ

ماہنامہ

اصلاح انسانیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی

شعبہ سرکولیشن وحید احمد

قیمت ———— -/10 روپے
سالانہ فنڈ ———— -/100 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ: Ph: 268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ: Ph: 260734

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ

اداریہ

برادران سلسلہ! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا قیام کن وجوہات کی بنا پہ ہوا۔ ہمارے سلسلہ کی تعلیمات اگرچہ ہم بھائیوں کو بفضل تعالیٰ میسر آگئیں لیکن ابھی بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان انہی تعلیمات کے متلاشی ہیں۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے قبلہ حضور اور آپ بھائیوں نے بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی خواہشات کے عین مطابق گذشتہ سال ماہنامہ اصلاح انسانیت کا اجراء کیا۔

آپ سب بھائی میڈیا کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس وقت مغربی طاقتوں نے میڈیا کی مدد سے اسلام کی آفاقی تعلیمات کو خوفناک شکل میں پیش کیا ہوا ہے حتیٰ کہ اسی طاقت سے مسلمانوں میں بھی اسلام سے متعلق قنوطیت پیدا کی جا رہی ہے۔

بحثیت مسلمان ہم پہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم بھی اپنے حتی الوسع وسائل کو میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے لئے استعمال میں لائیں تاکہ دوسرے لوگ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ ہو سکیں۔ یہ امور جہاد بالقلم کے زمرے میں آتے ہیں اور موجودہ حالات میں جہاد بالسیف سے کسی طرح بھی کم اہم نہیں۔ سلسلہ کے مشن سے آگاہی پر قارئین نے بہت حوصلہ افزاء تاثرات ارسال کئے ہیں۔ ایک قاری محمد داؤد صاحب (لاہور) سے لکھتے ہیں "محترم ایڈیٹر صاحب! عرض ہے کہ آپ کا رسالہ ماہنامہ اصلاح انسانیت نظر سے گذرا ماشاء اللہ اچھی کاوشیں اور مضامین ہیں۔ فی الواقع اس وقت ہم ذکر اللہ سے غافل ہو کر اوامر نواہی کو چھوڑ کر قصر مذلت کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ انسانیت کی فلاح کا بیڑہ اٹھانے پر اللہ کریم آپ سب حضرات کو کامیاب و کامران کرے۔ (آمین ثم آمین)۔ تمام برادران سلسلہ پہ لازم ہے کہ اس شمارے کی اشاعت کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ "علمی" اور "مالی" تعاون فرمائیں۔ شمارہ کے فنڈز کی فراہمی میں بعض بھائیوں نے بہت کوتاہی برتی ہے جو کہ قابل افسوس ہے۔ ہم تمام بھائیوں کو جمود اور سستی کو چھوڑ کر سلسلہ کے مشن کو مقدم رکھنا چاہئے۔ میں پر امید ہوں کہ آپ سب بھائی اس سلسلہ میں بھرپور تعاون فرمائیں گے۔ شکریہ

السلام علیکم

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

عبدالقیوم ہاشمی

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ○ (الکھف 110)

ترجمہ۔ "(اے حبیب ﷺ) کہہ دیجئے! کہ میں تو تم جیسا بشر ہوں مگر مجھ پر وحی آتی ہے"

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ تمام نوع انسانی کے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کے سبب ہی راہ الٰہی انسانوں پہ واضح ہوا' ورنہ مادیت سے اٹی ہوئی عقل انسانی تاقیامت نور الٰہی سے محروم رہتی۔ یہ عطائے ربانی ہے کہ اس نے کمال محبت واحسان سے آپ ﷺ کو اس دنیا میں بحیثیت رسول برحق مبعوث فرمایا۔ آج ہمارے مسلمان بھائی آپ ﷺ کی روشن اور کامل زندگی کو نمونہ بنانے کی بجائے آپ ﷺ کی ذات پہ ہی نزاع کھڑا کیے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ آپ کو تمام کا تمام علم غیب حاصل تھا تو دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں نہیں آپ کو تو فلاں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ پہلا گروہ کہتا ہے کہ آپ تو نور ہی نور تھے بشر تو محض دکھاوے کے تھے' تو دوسرا گروہ کہتا ہے نہیں نہیں آپ تو بشر ہی تھے یا محض پوسٹ مین اور کاتب۔ یعنی جو کرنے کا کام تھا وہ کیا نہیں محض اپنی ناقص عقل کے پیمانے پہ آپ ﷺ کی ذات باکمال کو جانچنے لگے۔ آنحضور ﷺ کا کیا مقام ہے یہ جانچنا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں۔ قرآن کریم میں ہے ورفعنا لک ذکرک "اور ہم نے آپ کے ذکر کو سربلند کر دیا ہے"۔ کس قدر نام کی سربلندی ہوئی ہم نہیں بتا سکتے ولسوف یعطیک ربک فترضی (والضحی۔5) "اور عنقریب آپ کا رب آپ پر اس قدر عنایات فرمائے گا کہ آپ بالکل راضی ہو جائیں گے" اب کس قدر عطا سے آپ ﷺ راضی ہوں گے اور کیا کچھ آپ کو عطا ہو گا ہم نہیں جان سکتے' درحقیقت آپ ﷺ کی فضیلت نور و بشر کی صفات کی وجہ سے ہرگز نہیں بلکہ جو آپ ﷺ کو یا دوسرے انبیاء کو فضیلت حاصل ہے وہ مقام عبدیت پہ فائز ہونے کی وجہ سے ہے' اگرچہ رسالت عام انسانوں سے رسولوں کو ممتاز اور یکتا کر دیتی ہے مگر جس صفت کو رسول زیادہ پسند کرتے ہیں وہ عبدیت کا ہی مقام ہے۔ مقام رسالت میں انبیاء بندگان خدا کی ہدایت کرتے ہیں پیغامبر کے طور پہ اس میں فرشتوں کا بھی دخل ہوتا ہے۔ جب کہ مقام عبدیت میں خالصین بندے اور خدا کا رابطہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ "مجھ پہ قرب الٰہی کی ایک ایسی حالت بھی آتی ہے جہاں کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کا گذر نہیں" وہ دراصل اسی مقام عبدیت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ علم

قرآن کریم میں ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ○ (ذاریات ۔36) "اور ہم نے جن و انس کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لئے کیا ہے" یعنی انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی ہے۔ لہٰذا عبادت کا مقصود یہ ہے کہ انسان مالک حقیقی کا عبد خالص بن کر قرب و معرفت باری تعالیٰ حاصل کر لے۔ اس آیت کی وضاحت سے بھی واضح ہوا کہ انسان کا سب سے بلند مقام، مقام عبدیت ہے نہ کہ نور و بشر کے خود ساختہ مباحث۔

حدیث مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اے میرے رب! میں تیرا رسول ہوں اور میری رسالت تیرے گم کردہ راہ بندوں کو رشد و ہدایت سے بہرہ ور کرنے کے لئے ہے لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ اول و آخر تیرا بندہ رہوں"

یہی وجہ ہے کہ آپ نے کلمہ شہادت میں مقام عبدیت کو مقام رسالت پہ اولیت دی (محمد اعبدہ و رسولہ)

یہ بھی حقیقت ہے کہ جہاں بھی آپ ﷺ کو قرب و معرفت الٰہی کی نعمتیں حاصل ہوئیں وہاں آپ کو صفت عبد سے ہی یاد کیا گیا ہے۔ جیسے واقعہ معراج میں سورہ بنی اسرائیل آیت 1 اور سورہ نجم آیت نمبر 10 میں قرب و معرفت کی منازل کو صفت عبدیت کے ساتھ مشروط کر دیا گیا یعنی

سبحن الذی اسری بعبدہ "پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو" فاوحی الی عبدہ ما اوحی "پھر اللہ نے اپنے بندہ سے باتیں کیں جو بھی باتیں کیں۔ یہی صفت عبدیت ہے جس کے سامنے شیطان بھی بے بس نظر آتا ہے اور اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں تمام بنی نوع انسان کو بہکاؤں گا مگر الا عبادک منھم المخلصین (ص۔83) "ماسوائے تیرے مخلص بندوں کے"

اگر صحیح معنوں میں مقام عبدیت کو سمجھ لیا جائے تو نہ نور و بشر کے جھگڑے ہوتے ہیں اور نہ ہی علم غیب کی بحث ہوتی ہے اور نہ ہی خزانوں کی تقسیم کا جھگڑا کھڑا ہو سکتا ہے۔ مقام نبوت کو سمجھنے میں دونوں گروہ مالک و عبد کے تعلق کو فراموش کر دیتے ہیں۔ عبد کہتے ہی اسے ہیں جس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔ عبد کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ مالک کا حسن و قرب ہی اس کے لئے تمام خزانوں اور مراتب سے بڑھ کر ہوتا ہے اور عطائے لوح و قلم کو واپس مالک کو لوٹا کر خود مالک کے قدموں میں پڑے رہنے کو ہی حقیقی بادشاہت کہتے جانتا ہے۔ بقول اقبالؒ

متاع بے بہا ہے درد و سوز و آرزو مندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

مقام نبوت کو سمجھنا نہایت اہم ہے۔ یہ دو دھاری تلوار کی مانند ہے یعنی نبوت کے دونوں پہلو 1۔بشریت یا مثلیت اور 2۔ رسالت یا فضیلت میں ذاتی عقل و سوچ سے کمی بیشی انسان کو گمراہی کے عمیق گھڑوں میں پھینک سکتی ہے۔ اگر نبی کی فضیلت میں غلو کیا جائے تو شرک میں مبتلا ہونے کا احتمال ہے جیسے کچھ لوگ انبیاء کے متعلق نور من نور اللہ کی صدائیں لگا کر عجیب تاویلیں کرتے ہیں۔ مشرک کی سزا قرآن کریم یہ تجویز کرتا ہے "بے شک اللہ کے ہاں سوائے شرک کے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے" (النساء ـ116)۔

اسی طرح اگر نبی و رسول کی فضیلت میں اپنی عقل و سوچ کے پیمانے سے کمی کی گئی تو بھی اعمال کے اکارت جانے اور ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

"اے اہل ایمان! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور اس طرح ان سے باواز بلند باتیں نہ کرو جیسے آپس میں کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو" (الحجرات ـ2)

لہٰذا مقام نبوت کو سمجھنے کے لئے بشریت و فضیلت میں اعتدال نہایت ضروری ہے۔ قرآن کریم نے بھی یہی اسلوب اختیار کیا ہے یعنی جہاں کہیں نبی کی بشریت کا اعلان ہوا وہیں فضیلت نبوت بھی بیان کی گئی۔ جیسے

"کہہ دیجئے! میں تو ایک بشر ہوں تمہی جیسا مگر مجھ پہ وحی کی جاتی ہے" (کہف ـ 110)

"کہہ دیجئے! کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں مگر مجھ پہ وحی آتی ہے" (حم سجدہ 6)

"کہہ دیجئے! سبحان اللہ میں ایک بشر ہوں، رسول" (بنی اسرائیل)

الغرض پورے قرآن کا یہی طریقہ نزول ہے یعنی بشریت و فضیلت کا ساتھ ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔

سابقہ امتیں بھی مثلیت و فضیلت میں کمی بیشی سے گمراہ ہوئیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے فضیلت میں غلو اور بشریت سے خلاصی دے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور شرک کے مرتکب ہوئے۔ ایسے بھی گروہ امت ہوئے جنہوں نے نبوت کی برتری سے انکار کیا اور بشریت و مثلیت پر اصرار کیا یہ گروہ کافر ہوئے۔ کفار یہ جملہ کہتے جو سورہ ھود میں ہے مانراک الا بشر مثلنا "ہم تو تمہیں اپنے جیسا ہی بشر سمجھتے ہیں" ابوجہل اسی قبیل سے تعلق رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مقام عبدیت عطا فرمائے اور مقام نبوت کو قرآن و سنت کے مطابق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

عن ام المومنین ام عبدالله عائشته رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد (بخاری)

ترجمہ :- ام المومنین ام عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے اس (دین) میں نئی بات نکالی جو اس میں سے نہیں تو وہ رد ہے۔

اسلام ایک مکمل اور جامع دین ہے جو انسان کی زندگی دنیا و آخرت میں اچھے اور بہترین طریقے سے گذارنے میں مکمل رہنمائی کرتا ہے اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے سنہری اصولوں کو عملی زندگی میں اپنایا جائے اور اس میں کسی قسم کا اپنی طرف سے اضافہ نہ کیا جائے۔

دین اسلام کی بنیاد دو باتوں پر ہے ایک قرآن مجید اور دوسری رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور جس کسی عمل کی بنیاد ان دونوں میں سے کسی پر نہ ہو تو وہ نامقبول عمل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل قبولیت کا مقام پا سکتا ہے جو دین اسلام میں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں جو انہوں نے حجتہ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھام لیا تو گمراہ نہ ہو گے اور وہ چیز اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

"اے نبی فرما دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو"۔

اگر ہم قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا بغور مطالعہ کریں تو وہ

ہمیں واشگاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پیروی کی ہی تلقین کرتے ہیں اور جو اس کے علاوہ کسی قسم کا اضافہ کرتے ہیں انہیں دین اسلام کا بدترین دشمن قرار دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی پیروی کرو اسے مضبوطی سے تھامے رکھو اور دین میں نئی پیدا شدہ باتوں سے دور رہو کیونکہ ہر نئی بات گمراہی ہے"۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا

"اپنے آپ کو بدعت سے بچائے رکھنا کیونکہ بدعت خدا اور رسول کی نافرمانی کی طرف لے جاتی ہے اور جو آدمی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی میں مبتلا ہوا وہ راستے سے بھٹک گیا اور گمراہ ہوا"۔

رسول کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو سنت نبوی پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔

"جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا"

"جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا"۔

مذکورہ بالا احادیث یہ ثابت کرتی ہیں کہ کوئی ایسی بات جو قرآن و سنت کے منافی ہو اس پر عمل نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے۔ اصل اور حقیقی دین نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ آج ہم دین اسلام کی اصل کو بھول کر فرقہ واریت میں جھگڑے ہوئے ہیں اس کی بنیادی وجہ بدعات ہیں جس نے امت مسلمہ کے اتحاد کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ مسلمان جو پہلے کفر کے خلاف جہاد کرتے تھے اب چھوٹے چھوٹے مسائل پر ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے ہیں یہ دین اسلام کے لئے المیہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں خدا اور اس کے رسول کے احکامات کی پیروی کرنی چاہئے اور بدعات سے بچنا چاہئے یہی دین اسلام کا درس ہے۔

صدائے فقیر

نفس کشی یا اصلاح نفس

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

قرآن کریم اللہ تعالے کی آخری کتاب ہے اور اس میں دنیوی اور اخروی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے مکمل ہدایات دی گئی ہیں۔ اس میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ جب انسان اس دنیا سے واپس جائے گا تو صرف روح ہی واپس نہیں لوٹے گی بلکہ نفس بھی اس کے ساتھ جائے گا۔ قرآن تو ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ قیامت کے دن تمام انسان اپنے مادی جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ جب یہ حقیقت بتا دی گئی ہے کہ نفس اور جسم آخرت کی زندگی میں کام آنے والے ہیں تو انہیں مار ڈالنے اور اذیتیں دینے کی تعلیم کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ جن مذاہب نے کسی غلط فہمی کی بنا پر آخرت میں صرف روح کی زندگی کو تسلیم کیا انہوں نے نفس اور جسم کو نظر انداز کر دیا۔ ان کے نزدیک نفس اور جسم کو جتنی زیادہ تکلیف دی جائے اتنی ہی زیادہ روحانی ترقی ملتی ہے۔ ایسے مذاہب میں روحانیت کے متلاشی دنیا کو ترک کر کے جنگلوں اور پہاڑوں کا رخ کرتے اور اپنے جسموں کو مسلسل فاقوں اور اذیتوں سے ناکارہ بنا دیتے ہیں وہ نفس کشی کی جاں گسل اور طویل ریاضتوں کے بعد روحانی طاقت کے بل بوتے پر چند شعبدے دکھانے پر دسترس حاصل کر لیتے ہیں لیکن اللہ کی معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ رہبانیت کی راہ انسانوں نے خود اختراع کی ہے۔ کیونکہ یہ زندگی کے حقائق سے فرار کا راستہ ہے اور انسان کی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ اللہ کا کامل دین دنیا اور آخرت کی زندگی کے حقائق بیان کرتا ہے اور وہ راستہ دکھاتا ہے جس پر چلتے ہوئے انسان اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام میں اسی لئے رہبانیت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور طہارت جسم، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لئے مناسب تعلیم دی گئی ہے تاکہ انسان مکمل کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔ قرآن کریم میں نفس کے بارے میں جو متعدد آیات نازل ہوئی ہیں ان میں سے ہم یہاں صرف دو آیات نقل کرتے ہیں

(1) یطاف علیھم بصحاف من ذھب واکواب وفیھا ما تشتھیه الانفس تلذ الاعین و انتم فیھا خلدون O (الزخرف۔71)

"جنت میں ان پر سونے کی پرچوں اور پیالوں کا دور چلے گا۔ اور وہاں موجود ہو گا جس کی نفس خواہش کریں گے اور جس سے آنکھوں کو لذت حاصل ہو گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔"

(2) لا یسمعون حسیلسھا وھم فی ماالشتھت انفسھم خلدون O (الانبیاء۔102)

"اہل جنت جہنم کی آواز بھی تو نہیں سنیں گے۔ اور وہ نفسوں کی تسکین اور لطف کے سامان میں ہمیشہ رہیں گے۔"

نفس کی اہمیت کے پیش نظر دین حق میں نفس کشی کی بجائے اصلاح نفس کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ نفس کی قوت سے فائدہ اٹھایا جاسکے اگرچہ نفس کا رجحان دنیوی لذات کی طرف ہوتا ہے لیکن اللہ تعالے رحم فرمادیں تو یہ کارآمد بن سکتا ہے۔ قرآن کریم میں نفس کی فطرت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وما ابری نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم O (یوسف۔53)

"یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس برائی ہی سکھاتا ہے مگر یہ کہ میرا رب رحم کردے بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔"

انسان تو اپنی عقل و حکمت سے خونخوار درندوں سے انکی وحشت اور درندگی والی عادات چھڑوا کر اپنے ساتھ مانوس کرلیتا ہے یہاں تک کہ شیر اور ہاتھی جیسے جانور اس کی اطاعت کرتے اور اس کے اشارے پر مختلف کرتب کر کے دکھاتے ہیں۔ اسی طرح نفس کی درندگی بھی دور کی جاسکتی ہے' اس سے مطلوبہ کام لئے جاسکتے ہیں۔ نفس کی اصلاح اور تربیت کا پورا نظام ہے اور یہ دین کا نہایت ہی اہم حصہ ہے اس سلسلے میں اللہ کی محبت میں

ڈوبے ہوئے مردان حق اور اہل دل حضرات کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے۔ مومن جب اللہ کو اپنا مالک. معبود اور محبوب تسلیم کرلیتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی بجا آوری کا پابند ہو جاتا ہے' نماز کی پابندی اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اللہ کے ذکر کی برکت سے اس کی روح بیدار ہو جاتی ہے اور اس کا قلب مطمئن ہونے لگتا ہے۔ قلب کی کیفیات کا اثر نفس پر بھی پڑتا ہے اور اس میں بھی اپنے خالق کی اطاعت کا ذوق پرورش پانے لگتا ہے۔ اللہ کا ذکر استقامت کے ساتھ جاری رکھا جائے تو نفس اللہ کی طرف رجوع ہو جاتا ہے اور اپنی گذشتہ شرارتوں اور سرکشی کی روش پر پچھتانے لگتا ہے۔ اپنے آپ پر ملامت کرنے والی اس کیفیت میں اسے نفس لوامہ کہا جاتا ہے روح اور نفس کے ملاپ کے نتیجے میں ان دونوں کا اثر قبول بھی کرتا ہے۔ وحی الہی کا نزول بھی انبیاء علیہم السلام کے قلب پر ہی ہوتا ہے۔ اللہ والے فقیر اور اولیائے کرام اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں اور عقیدت مندوں کی اصلاح ان کے دلوں پر توجہ کرنے سے کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں دلوں کے ٹیڑھا اور بیمار ہو جانے کا بھی ذکر آیا ہے جب ایسا ہو جائے تو پھر نفس بالکل ہی بے لگام درندہ بن جاتا ہے کیونکہ قلب کی طرف سے اللہ کی محبت کا کوئی پیغام اسے نہیں ملتا۔ انسان جب اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو دل مردہ ہو جاتا ہے' اسطرح روح کو اس کی غذا ملنی بند ہو جاتی ہے تو وہ بھی بیمار اور کمزور ہو کر مردہ کی مانند ہو جاتی ہے۔ اگر نماز کی پابندی' ذکر پر مداومت. صالح اعمال اور تسلیم و رضا کی راہ پر مومن آگے بڑھتا چلا جائے تو قلب منور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے زیر اثر نفس بھی اللہ تعالے کی اطاعت پوری طرح قبول کر لیتا ہے اور اپنی قوت کو نیکی کے کاموں میں صرف کرنے لگتا ہے جو نفس اس مقام پر پہنچ جائے اسے نفس مطمئنہ کا خطاب عطا ہوتا ہے اس حالت میں اللہ کی رحمت اسے قبول کر کے اپنی رضا میں داخل کرلیتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا

یاایتھا النفس المطمئنته ارجعی الی ربک راضیته مرضیه فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی O (الفجر۔ 27 تا 30)

"اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ چل۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے

راضی تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

دیکھیئے وہی نفس جو برائی کی ترغیب دینے والا تھا نیک رجال اور صالح اعمال کی بدولت بتدریج اصلاح پذیر ہوتا ہوا اللہ کی جنت میں داخل ہونے کے قابل بن گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم اس طرح ہے کہ "شیطان ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اس کے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے اس پر صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن میں نے اسے مسلمان بنالیا ہے"۔

ملاحظہ فرمایئے اور غور کریں کہ یہ حضور سیدالانبیاء ﷺ کا فرمان ہے اور یہ ہے انسانیت کی معراج کہ اپنے نفس کی اصلاح کر کے اسے بھی اللہ تعالے کی اطاعت میں لگا لیا ہے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے اپنے نفس کو مار دیا ہے۔۔ بہت سے صوفیائے کرام کے تذکروں میں ملتا ہے کہ انہوں نے نفس کی بہت مذمت کی اور نفس کشی پر زور دیتے رہے اور اپنے نفس کی مخالفت میں بہت شدت کی سخت مجاہدے کئے۔ اس سے ان کی مراد نفس کو کلی طور پر مار دینا نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ مر سکتا ہے بلکہ اس سختی سے ان کا مقصود نفس کی سرکشی اور بغاوت کا مکمل خاتمہ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی خواہشات کا غلام بن کر جہنم کا ایندھن نہ بنے بلکہ اللہ تعالے کے احکام کا پابند ہو کر اس کے بندوں میں شامل ہو کر جنت کا مستحق بن جائے۔ جب نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو اس کی خواہشات اور آرزوں کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی ساری قوت اللہ تعالے کے فضل و رضا کی جستجو اور اسکی مخلوق کی خدمت کے لئے وقف ہو جاتی ہے اس طرح یہ انسان کا بہت اچھا دوست ثابت ہوتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

الف ایہو نفس اساڈا بیلی جے نال اساڈے سدھا ھو

جو کوئی اس دی کرے تباہی اس نام اللہ دا لدھا ھو

یعنی اگر یہ نفس ہمارے ساتھ سیدھا ہو جائے اور مخالفت ترک کر کے اطاعت میں لگ جائے تو پھر یہ ہمارا مددگار بن جاتا ہے۔ جو اپنے نفس کی شر کو تباہ کر دے صرف اسے ہی

اللہ کا نام اور پیار ملتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا ایک فرمان نفس کشی یا اصلاح نفس کے ضمن میں نہایت جامع و نافع ہے۔ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر 41 میں درج ہے کہ "جاننا چاہیے کہ نفس مطمئنہ ہونے کے باوجود اس کی صفات باقی رکھنے میں بڑے فائدے اور نفعے ہیں اگر نفس بالکل اپنی صفات کے ظہور سے روکا جائے تو ترقی کا راستہ بند ہو جائے کیونکہ ترقی کا حاصل ہونا نفس کی مخالفت کے باعث ہے اگر نفس میں مخالفت نہ رہی تو ترقی کیسے ہو گی"۔

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بہت بڑے بزرگ حضرت بایزید بسطامیؒ کے تذکرہ میں آتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے نفس کی مخالفت کرتے اور اس کی اصلاح کے لئے آپ نے بہت کٹھن ریاضتیں کیں اور اللہ کے مقربین میں شامل ہوئے۔ روحانی کیفیت اور مراقبے کے دوران جب آپ کی روح اللہ تعالے کے قرب کے مقامات کی طرف عروج کرتی تو راستے میں فرشتے ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے۔ ایک دن حضرت صاحب نے اللہ تعالے کے حضور التجا کی کہ میں نے اپنے نفس کو شدید مجاہدہ سے بالکل بے جان کر دیا ہے اس کی سرکشی ختم ہو گئی ہے اور اب یہ بیکار ہو گیا ہے۔ اس لئے آپ اسے نکال ہی دیں اس پر انہوں نے روحانی طور پر دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کا بد صورت جانور ان کے جسم سے نکل کر بھاگ گیا ہے۔ اگلی مرتبہ آپ کو اللہ کے قرب کے لئے روحانی پرواز نصیب ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ اس مرتبہ فرشتوں نے آپ کی پرواہ ہی نہیں کی۔ جب آپ واپس لوٹے تو فرشتوں سے دریافت فرمایا کہ پہلے تو آپ میرے اکرام میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے کیا وجہ ہے کہ آج کسی نے میری طرف دیکھا بھی نہیں اس پر فرشتوں نے جواب دیا کہ جس شے کی وجہ سے آپ کو ہم پر فضیلت حاصل تھی اور ہم آپ کا احترام کرتے تھے وہ تو آپ نے نکلوا ہی دی ہے اب ہم میں اور آپ میں کوئی فرق ہی نہیں رہا تو اکرام و احترام کیسا؟

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام کا مقصد

خالد مسعود

☆۔ بانی سلسلہ قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

" واقعی جس پیری کے قصے عوام ہزار برس سے سنتے آرہے ہیں اس کے مقابلہ میں ہماری بات کون سمجھے گا۔ بہرحال اللہ کرے گا تو [illegible] جائے گا"

☆۔ آپؒ کیا کرنا چاہتے تھے اس کے بارے میں تحریر فرمایا۔

" اللہ کرے کہ ہمارا حلقہ پاکستانی عوام اور معاشرہ کے کچھ کام آسکے اور ان کی اصلاح اخلاق کر سکے، اگر یہ ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میری زندگی بے کار نہیں گئی"

☆۔ اسی مقصد عظیم کی وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" حلقہ توحیدیہ اس لئے قائم نہیں کیا گیا ہے کہ مجھ کو یا کسی اور رکن حلقہ کو ذاتی اعزاز یا دنیوی نفع حاصل ہو۔ ہمارا مقصد دوہرا ہے

ایک یہ ہے کہ ہم خود روحانی بزرگی اور اخلاقی بلندی حاصل کریں تاکہ دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی حاصل ہو۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ جب کچھ بن جائیں تو دوسروں کو اپنے جیسا بنانے کی کوشش کریں تاکہ امت محمدیہ میں فرقہ بندیاں، عناد اور فساد پھیلا ہوا ہے یہ دور ہو اور باہمی یگانگت، محبت اور اتفاق و اتحاد پیدا ہو۔ آپ لوگ چونکہ یہی کام کر رہے ہیں اس لئے آپ لوگوں سے اچھا اس زمانہ میں کون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور اپنے قرب اور حضوری سے نوازے آمین۔ ظاہر ہے میں نے تو بنیاد ڈال دی ہے میں اکیلا تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ آپ لوگ ہی سب کچھ کریں گے۔ میری ہمت، دعائیں اور ہدایت ہر وقت آپ کے ساتھ ہے"

(25/7/1963، 31/1/1971 کے خطوط بنام الحاج محمد مرتضیٰ صاحب سے اقتباس)

گلہائے عقیدت

(در مدح حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری دام برکاتہم بانی سلسلہ توحیدیہ رشحات قلم ہومیوڈاکٹر غلام ربانی صدیقی نوتھیہ جدید پشاور)

توحیدیوں کی روح رواں جان آرزو
پائی تیری نظر سے غلاموں نے آبرو
برسوں کشاں کشاں لئے پھرتی تھی کو بہ کو
اک نازنین عرش معلی کی جستجو
اب آ گیا ہوں در پہ لئے دل میں آرزو
ہو جائے آج چاک گریباں مرا رفو
اے زندہ دار محفل وحدت سلام ہو
مسکین و بے نوا سے کبھی ہمکلام ہو
دور طویل شام غریباں تمام ہو
ساقی مجھے بھی اب تو عطا ایک جام ہو
صہبائے معرفت سے بھرا ہے تیرا سبو
محفل میں ایک فقیر کی رکھ لے تو آبرو
وہ غالب و حکیم تو عبدالحکیم ہے
نازاں تیرے دروس پہ عقل سلیم ہے
تعلیم کیا ہے تحفہ خلق عظیم ہے
عشق خدا ہے حب رسول کریم ہے
جب طالبان حق سے تو ہو محو گفتگو
ہوتا ہے ذکر عالم بالا میں سو بہ سو
تیرے غلام رہتے ہیں دن رات باوضو
جاری دل و زبان پہ ہے اللہ تو ہی تو
صورت جو دیکھئے تو فرشتوں سے خوبرو
سیرت نیاز و خلق سے معمود نیک خو
یہ طالب و مرید ہیں جن کا ہے پیر تو
تیرا پتہ نہ دے سکیں اہل مقام ہو

ہو جائیں جو بھی تیری غلامی میں شاد کام
ہو کر غلام ان کا ہے اونچا بڑامقام
دونوں جہاں میں ہو گئے خوش بخت نیک نام
برسا کیئے ہے ان پہ سدا رحمت تمام
گر گر کے آستاں پہ جو ہوتے ہیں سرخرو
ان کی نظر میں ہیچ ہے دنیائے رنگ و بو
خواجہ میرا شفیق بڑا دل نواز ہے
دردِ شکست دل کا وہی چارہ ساز ہے
میں کیا کروں نہ دم ہے 'صدا ہے' نہ ساز ہے
کوتاہ زندگی کی شب غم دراز ہے
للہ اب نظر ہو اے منظور وحدہ
در پر پڑا فقیر ہے کشکول درگلو
جس میکدہ میں جام نہ خالی کبھی رہے
پھر کیوں کسی کو شکوہ تشنہ لبی رہے
دل کی لگی، لگی ہے تو یا رب لگی رہے
یہ دل لگی نہیں ہے، لگی ہے، جلی رہے
اس آگ میں بہار گلستان مشک بو
جلتے ہیں اس میں طالب و مطلوب دو بدو
اے قبلہ ام نگاہ کرم کا سوال ہے
ساکت تیرا غلام ہے کیوں خستہ حال ہے
للہ اب نظر ہو اے منظور وحدہ
ہو جائے چاک آج گریباں میرا رفو
توحیدیوں کی روح رواں جان آرزو
پائی تیری نظر سے گداؤں نے آبرو

(یہ نظم بانی سلسلہؒ کی حیات مبارکہ میں ان کی مجلس میں پڑھی گئی تھی)

مرسلہ:۔ سید قیصر شاہ بخاری

دین اور مخلوق

محمد مرتضیٰ توحیدی

تمام مخلوق سے بالاتر انسان اصلاح طلب مخلوق ہے۔ جب سے یہ وجود میں آیا اس کی اصلاح جاری ہے۔ اور اصلاح کی تمام تر ذمہ داری اللہ رب العزت نے اپنے اوپر لے رکھی ہے۔ انبیاء اکرام بے پناہ قلبی، روحانی قوت کے علاوہ کتابوں، صحیفوں اور وحی اور فرشتوں کے ذریعہ انکی اصلاح فرماتے رہے اور یہ انسان ترقی کرتا چلا گیا۔ آج دنیا ایک گاؤں کی حیثیت اختیار کرگئی ہے اور دنیا کا کوئی کونہ انسان کی معلومات سے باہر نہیں ہے اور ہر جگہ کی چیز خبر اور معلومات دوسری جگہ چند منٹوں میں پہنچ جاتی ہے اور سیٹلائیٹ کے ذریعہ اسی وقت دنیا کے کونے کونے میں چلی جاتی ہے اور اسی طرح انسان ترقی کرتا چلا جارہا ہے یہ کہاں تک ترقی کرے گا یہ تو اللہ ہی جانتا ہے اور اس تمام ترقی کے باوجود انسان بے بس محض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور متواتر جتنی ترقی کرتا ہے اتنا ہی وہ مجبور محض بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔ انسان انہی معاملات میں ترقی کرتا ہے جن کی خود تخلیق کرتا ہے اسی کے اوپر دسترس حاصل ہوتی ہے۔ باقی چیزیں جو اللہ نے تخلیق کی ہیں اس پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا۔

یہ بات واضح ہوئی کہ انسان بالکل مجبور ہے اور خالق یکتا واعلیٰ ہے۔ اس کی تمام ترقی کے باوجود یہ اپنی مجبوری پر حاوی نہ ہوسکا اور نہ ہوسکے گا۔ حاکمیت اللہ ہی کی رہے گی اور وہ جب چاہے گا اس کی ترقی کو نیست و نابود کردے گا اور انسان کی تمام ترقی دھری کی دھری رہ جائے گی اور اسی طرح وہ رہ جائے گا جیسے آیا تھا تنہا اور اکیلا اور اللہ کے فیصلہ کا محتاج و منتظر۔

اب آیئے مل جل کر ایک ایسے راستہ کی طرف چلتے ہیں جس کو اللہ اپنا راستہ کہتا ہے اور جس راستہ پر چل کر انسان دنیا میں بھی فلاح پاتا ہے اور مرنے کے بعد بھی فلاح پاتا ہے۔ یہ وہی راستہ ہے جس راستہ کے لئے اتنے انبیاءِ اکرام بھیجے گئے یعنی اس دنیا میں آنے کے بعد ایک انسان کو یہ پورا پورا معلوم ہو کہ وہ ایک اللہ کا بندہ ہے اور اشرف ہے۔ اس

دنیا میں چند روز زندگی گزار کر واپس چلے جانا ہے یہ دنیا عمل کی جگہ ہے وہ جو کچھ یہاں بوئے گا وہاں اوپر جا کر کاٹے گا۔ اس دنیا میں اگر وہ سیدھے راستہ پر چلا جس کی رہنمائی اللہ نے کی ہے تو دنیا میں بھی امن و سکون سے رہے گا اور مرنے کے بعد دائمی مسرتوں سے دو چار ہو گا۔ "آمین ثمہ آمین"

آدم علیہ السلام سے محمد ﷺ تک جتنے نبی آئے وہ ایک ہی دین لے کر آئے. اور ہر نبی دوسرے نبی پر ایمان لایا اور اس کی شہادت دی انہیں مانا تو نبیوں کے امتیوں نے نہیں مانا اور اسی جگہ پر آکر انسانیت میں اختلاف برپا ہوا۔ جو بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھ گیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو کھانے لگا اور غصہ اور نفرت کی اس طرح افزائش کی گئی کہ اللہ پناہ۔

آج ساری دنیا اس فکر میں لگی ہوئی ہے کہ دنیا میں کسی طرح سے امن و سکون آئے۔ کیسے لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جائے؟ UNO کے جتنے سلوگن ہیں وہ ایسی طرز زندگی کی عکاسی کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے ایک اتنا بڑا ادارہ قائم کیا گیا اور اسی ادارے سے وہ کام کروائے جا رہے ہیں کہ جو اس کے مقصد کے منافی ہیں۔ کیونکہ طاقتور ملک انصاف سے بالاتر ہو کر اپنے مفاد کو ہر صورت میں حاصل کرنا چاہتے ہیں ان میں اور جاگیرداروں میں کوئی فرق نہیں۔ وہ بڑے پیمانے پر کرتے ہیں یہ چھوٹے پیمانے پر کرتے ہیں۔ سوچنا تو یہ چاہئے کہ اگر آپ امن چاہتے ہیں اور دنیا میں سکون سے زندگی گذارنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہئے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں پر، رسولوں پر ایمان لے آئیں اور جیسے اللہ اور اس کے نبیوں نے فرمایا اور کر کے دکھایا ہے کریں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ عیسیٰ علیہ السلام محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں اور آخری نبی مانتے ہیں لیکن عیسائی جانتے ہوئے بھی نہیں مانتے۔ کیونکہ جتنے ان کے مبلغ ہیں وہ انہیں ایسا کرنے نہیں دیتے بلکہ سچ پر جھوٹ، جھوٹ پر سچ اور جھوٹ پر جھوٹ بھی بولنا پڑے بولنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اللہ کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ یہی حالت یہود کی ہے، ہنود کی ہے، پارسیوں کی ہے، کیمونسٹوں کی ہے، دنیا میں جتنے لوگ بس رہے ہیں اس سے کم و بیش آدھی مخلوق تو صرف اس کام پر لگی

ہوئی ہے کہ اللہ کی مخلوق کو کیسے ختم کیا جائے۔ دنیا میں کیسے فساد برپا کیا جائے یہ آدمی مخلوق دنیا کو تباہ کرنے کے لئے نئے طریقہ اور ہتھیار تلاش کرتے رہتے ہیں اور آدھی مخلوق اپنے پیٹ پالنے میں لگی ہوئی ہے۔ اس خلاف قدرت عمل نے جو اللہ کے نہ انبیاء اکرام کے فرمان کے اندر ہے کیسے امن اور سکون پیدا کر سکتا ہے۔ لہٰذا دنیا میں چند ملکوں کے علاوہ سبھی اپنے اپنے دکھڑوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ سے دوری بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ لوازمات زندگی کا گراف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ سکون و امن کا گراف گرتا چلا جا رہا ہے۔ فسادات و قتل و غارت کا گراف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ کسی کی زندگی محفوظ نہیں، کسی کا مال محفوظ نہیں، کسی کی عزت محفوظ نہیں تو سکون کیسے ملے گا۔ سکون و امن کوئی پھل دار درخت نہیں جو یوں پکا اور کھالیا اور سکون مل گیا یہ تو زندگی کی کانٹ، چھانٹ اور سکون کی تلاش ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں کی طرز زندگی، فرمان اور عمل سے رونما ہوتا ہے۔ اور اسی پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ اب آپ بتائیں کہ قصور کس کا ہے؟۔ اللہ کا، دین کا یا مخلوق کا، تو صاف ظاہر ہوتا ہے یہ ساری کی ساری خرابی اشرف المخلوق کی ہے جو اللہ کا خلیفہ ہے۔ وہ کون سا عیسائی ہے، وہ کون سا یہودی ہے، وہ کون سا ہندو ہے، وہ کونسا پارسی ہے، وہ کون سا بے دین ہے جو نہیں جانتا اس معلوماتی دنیا میں ایک کتاب ہے جو اب بھی اپنی حالت میں بالکل ویسے ہی ہے جیسے اس کا نزول ہوا تھا۔ اس کتاب کو لکھنے والا کوئی مخلوق نہیں اس کتاب کی ترتیب دینے والا کوئی نہیں یہ کتاب تو ایک ایسے نبی کے سینہ پر اتری جو امی تھا، وہ امین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی فضیلت کے آپ پر سارے دروازے کھول دئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کا سردار بنا دیا خلاصہ کلام یہ کہ آپ جیسا نہ کوئی دنیا میں آیا ہے اور نہ آئے گا۔ تمام مخلوق پر انکی ہر چیز بھاری ہے جس طرح خالق اور مخلوق میں کوئی مقابلہ نہیں اسی طرح محمد ﷺ اور باقی مخلوق میں کوئی مقابلہ نہیں۔ اللہ پر، ملائکہ پر، کتابوں پر، رسولوں پر اور آخرت پر اچھی اور بری تقدیر پر اور مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جانے پر، جو ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا وہ فلاح پائے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا، وہ نقصان اٹھائے گا۔ ان کی زندگی چاہے دنیا میں کیسی ہی کیوں نہ گذری ہو، وہ بہت بڑے لیڈر ہوں،

بے شمار دولت جاہ و جلال کے مالک ہوں، بڑی بڑی سلطنتوں کے مالک ہوں، بے پناہ قوتوں کے مالک ہوں۔ آنکھ بند ہوتے ہی تمام تنابیں کھینچ دی جائیگی، دوزخ ان کا ٹھکانہ ہوگا، ایک ایک لمحہ کی زندگی اذیت ناک ہو گی۔ وہاں پر امن اور سکون کی بات کون کرے گا۔ کس منہ سے امن و سکون کی بات کرے گا۔ جو کچھ دنیا سے بھیجا تھا وہ سامنے ہو گا۔ تمام آزادی صلب کرلی گئی ہو گی۔ آہ و بکا سننے والا کوئی نہ ہو گا۔ دنیاوی آسانیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی، کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہو گی۔ پھر بتا اے ایمان نہ لانے والو تم کیا کرو گے اور کیا کرلو گے جب فیصلہ کا دن ہو گا۔ ہاں اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ابھی سوچو اور نوٹ کرلو اللہ پر ایمان لاؤ، محمد ﷺ پر ایمان لاؤ، عمل نیک اور صالح کرو اور اللہ کی مخلوق کو سکون اور آرام پہنچاؤ پھر دیکھو اللہ تمہیں کس انداز میں نوازتا ہے اور نوازتا چلا جاتا ہے تم اللہ کی طرف بڑھ کر تو دیکھو۔ یہ بھول جاؤ جو پہلے کر چکے، ہو سکتا ہے میری طرح بہت گناہگار ہو، ہو سکتا ہے میری طرح کوئی نیک کام نہ کیا ہو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا آج خود کو اللہ اور اس کے رسول محترم محمد ﷺ کی غلامی میں لے آؤ اپنے گناہوں سے توبہ کرلو آئندہ بچنے کی ترکیبیں کرلو اور جتنا عمل آسانی اور پاکیزگی سے ہو سکے کرنے میں لگ جاؤ، ایک لمحہ زندگی کا اللہ کی یاد سے خالی نہ رکھو، سانس کا خیال رکھو، اللہ کو پیار کرتے جاؤ، نبی پر درود بھیجے جاؤ اور ان کے نقش قدم کی نشانیاں تلاش کرتے جاؤ اور اس قدر اللہ کے قرب کی فکر کرنے لگو کہ تمہاری زندگی کا اول و آخر یہ کام باقی رہ گیا ہو۔ اللہ ہی کو اپنا سب کچھ جانو، مانگو تو اللہ سے مانگو، آنسو بہاؤ تو اللہ کے لئے بہاؤ اور آگے بڑھتے چلے جاؤ اپنے دل کا محاسبہ کرو یہ تم سے ہم کلام ہو گا اور جگہ جگہ تمہاری رہنمائی کرے گا۔ کبھی اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھو۔ تم اکیلے نہیں ہو اگر تم گنہگار ہو تو ہم سب بھی گنہگار ہیں، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ ایک گنہگاروں کا جتھا اللہ کی طرف بڑھتا چلا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی خاطر اور نبی پاک ﷺ کی خوشنودی کی خاطر گنہگار امتیوں پر سے گناہ کا بوجھ ہلکا کردیں گے اور ایک وقت بالکل معاف کردیں گے اور یارو چلو اور جنت میں داخل ہو جاؤ مبارک ہو تمہیں یہ زندگی اور اللہ کی مہربانیاں، میں گنہگار بھی تیرے ساتھ ہوں۔ (آمین ثم آمین) (جاری ہے)

تعمیر ملت اور اقامت دین

(حصہ اول) محمد حسین

نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر
نرا نفس ہے، اگر نغمہ ہو نہ آتشناک

اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حکیم اور دانا بینا ہے۔ اصلاح انسانیت کے لئے مطلوب سب کی سب حکمت و دانائی پر مبنی باتیں قرآن پاک میں جمع فرما دیں۔ قرآن پاک کا موضوع ہی انسان اور اصلاح انسان ہے۔ قرآن پاک کی آیات اور نفس و آفاق میں بکھری اللہ کی نشانیاں (آیات) بلکہ سارے کا سارا کارخانہ قدرت اصلاح انسانیت یا تکمیل انسانیت کے لئے محو خرام ہے۔ کتاب اللہ ایک بحر بے کراں ہے جو حکمت کے موتیوں سے لبریز ہے۔ ہر ہر لفظ بلکہ ہر ہر حرف ایک انمول ہیرا ہے، ہر مشکل کا حل، ہر مرض کی دوا اور شے کا ذکر اس میں موجود ہے، یہ ہم مسلمانوں کا ایمان ہے۔ صحابہؓ میں سے قرآن کا علم کثیر رکھنے والے صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ میرے اونٹ کی اگر نکیل گم ہو جائے تو وہ بھی میں قرآن ہی سے ڈھونڈتا ہوں۔ اب اگر ہم اپنی کم فہمی یا معصیت کی بنا پر کلام اللہ کے نکات سمجھنے سے قاصر ہیں تو یہ ہماری اپنی کوتاہ نظری کا قصور ہے۔ اللہ کا کلام تام ہے اور کمی سے پاک ہے۔

ایک دفعہ ایک غیر مسلم شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے پاس آیا اور کہا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ قرآن پاک میں ہر شے کا علم ہے تو مجھے اس میں سے سونا بنانے کا نسخہ ڈھونڈ کر بتاؤ۔ تو آپ نے تین دن کی مہلت مانگی اور ساتھ ہی کہا کہ اگر میں مطلوبہ نسخہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تو تم مسلمان ہو جانا اگر میں ناکام ہو جاؤں تو اس کو میری کم فہمی پر محمول کرنا۔ قرآن پاک پر الزام نہ دھرنا۔ انہی سچے موتیوں کو حضور نبی پاک ﷺ نے نبوت کی زبان فیض رساں سے عوام الناس، خواص اور خواص الخواص ہر ایک کی فہم کے مطابق احادیث کی صورت میں نئے رنگ سے سجایا مثلاً" قرآن پاک میں ہے "اللہ تعالیٰ تک نہ قربانی کے جانور کا گوشت اور نہ خون پہنچتا ہے بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے" اسی حقیقت کو رسول پاک ﷺ نے یوں

فرمایا "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" گویا یہ ایک دوسرا سمندر ہے جو حکمت کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ نبی پاک ﷺ یہ دونوں بحار ناپید کنار امت کی رہنمائی کے لئے چھوڑ گئے جن کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دو چیزیں تمہارے لئے چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن پاک اور ایک اپنی سنت یعنی احادیث مبارکہ، ان دونوں کو اگر مضبوطی سے تھامے رہو گے تو دنیا و آخرت میں سرخرو رہو گے۔ درحقیقت قرآن مجید اور احادیث مبارکہ دونوں ایک ہی اصل کی دو فروع ہیں کیونکہ حدیث پاک بھی وحی کی ہی ایک قسم ہے جسے وحی خفی یا غیر متلو کہتے ہیں جب کہ قرآن حکیم کو وحی جلی یا متلو (تلاوت کی جانے والی) کہتے ہیں۔ مگر حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے درمیان ایک ایسا امتیازی خط کھینچ دیا گیا ہے کہ ہزاروں برس گذرنے کے باوجود حکمت کے دونوں سمندر ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں مگر مجال ہے کہ ایک دوسرے میں خلط ملط ہو جائیں۔ اس حقیقت پر قرآن کریم کی سورہ الرحمن کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ بڑی خوبصورتی سے منطبق ہوتی ہیں۔

مرج البحرین یلتقین ○ بینھما برزخ لا یبغین ○ فبای الاء ربکما تکذبن ○ یخرج منھما اللولوو المرجان ○

"اس نے دو سمندر جاری کئے یا بہائے جو کہ ملے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے درمیان ایک پردہ (روک) ہے کہ وہ ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے" اور یہ یہی سمندر ہیں جو نبی ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالٰی نے جاری فرمائے۔ حکمت کے انمول لعل و جواہر سے بھرے ہوئے ہیں ملے ہوئے ہیں مگر جدا جدا ہیں۔ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ پاک نے لیا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون ○ ابد آباد تک اس میں کوئی چیز شامل نہیں ہو سکتی۔ حدیث کے موتیوں میں بعض باطنیتوں نے سنگریزے ملانے کی کوشش کی مگر حضور ختمی مرتبت ﷺ کے غلاموں کو اللہ تبارک و تعالٰی نے ایسا فہم عطا فرمایا کہ انہوں نے فن حدیث کی چھلنی سے صدف کو خزف سے، ہیرے کو پتھر سے اور در کو شبہ سے الگ کر دیا۔ مولانا جلال الدین سیوطی تاریخ خلفا میں بیان کرتے ہیں کہ ایک زندیق گرفتار ہو کر خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے

پیش ہوا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔اس پر زندیق نے کہا مجھے تو قتل کروا دو گے ان ہزاروں حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے لوگوں میں پھیلا دی ہیں۔ خلیفہ نے کہا اے دشمن خدا ابواسحاق فزاریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کے ہوتے ہوئے اس کا بالکل خوف نہیں وہ اصول حدیث پر کس کر ایک ایک غلط ملط نکال باہر کریں گے۔ حضور ﷺ کے بعد صحابہ اکرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ فقہ، صوفیہ اکرام اور اولیا عظام نے حکمت کے انہی دو سمندروں میں غواص کی۔ اپنے اپنے دور میں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق یا قوت و مرجان چن چن کر فقہ اکبر، موطا، روح البیان، کیمیائے سعادت، مثنوی و معنوی، کشف المحجوب، غنیتہ الطالبین، حجتہ اللہ البالغہ، اسرار خودی، رموز بے خودی، تعمیر ملت اور بے شمار دوسری تصانیف کی صورت میں امت مرحومہ کی رہنمائی کے لئے جواہر پارے ترکہ میں چھوڑے۔ مطلب ساری بحث کا یہ ہے کہ حکمت و دانائی کی ساری باتیں شرح و بسط کے ساتھ بیان ہو چکیں، اب تو جو کچھ لکھا جاتا ہے یا لکھا جائے گا انہی کی خوشہ چینی ہو گی۔ مگر یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں اسے بھی وہی کر سکتا ہے جو تمام علوم شرعیہ پر قدرت رکھتا ہو۔ قرآن و حدیث کے اسرار و رموز سے واقف ہو، تقریر و تحریر میں صادق ہو، ذکی الفطرت اور ذہین ہو، عبارت کی تزئین اور کلام کے حسن سے شناسا ہو مافی ضمیر کے بیان کے لئے الفاظ اس کے آگے صف باندھے کھڑے ہوں اور وہ ان کے صحیح انتخاب میں دسترس رکھتا ہو۔ مگر یہاں تو یہ ہے کہ دل و دماغ میں لغو خیالات کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ اگر کوئی اڑتی ہوئی بات ذہن میں آگئی تو بیان کے لئے الفاظ ندارد اگر کوئی لفظ کہیں سے پڑھ لیا یا سن لیا معنی عنقا، لغات میں مطلب دیکھا تو عبارت میں فٹ نہیں۔ گو اس بحر کا شناور نہیں مگر لا تقنطو من رحمت اللہ کے بھروسے پر غوطہ لگا دیا ہے۔ تعمیر ملت، اقامت دین اور غلبہ دین حق ایک ہی حقیقت کے مختلف عنوان ہیں۔ کیونکہ ملت کی تعمیر یا نشاۃ ثانیہ دین حق پر عمل پیرا ہونے سے ہوگی اور دین پر عمل اس وقت ہو گا جب دین تمام باطل ادیان پر غالب ہو گا اور یہی غلبہ اقامت دین ہے۔

اقامت دین۔ اقامت کا لغوی معنی کسی شے کو سیدھا کھڑا کر دینے کے ہیں مگر جب یہ کسی مجرد یا معنوی شے یعنی نظام نماز یا دین کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کا مفہوم ذرا وسیع ہو جاتا ہے۔ مختصرا" کسی شے کا پورا پورا حق ادا کرنے کو اس شے کی اقامت کہتے ہیں یعنی

اس شے کا تاثر ہر وقت ہر حالت میں دل و دماغ پر حاوی رہے۔ اسی حکمت کے تحت نماز پڑھنے کا نہیں بلکہ قائم کرنے کا حکم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کیفیت نماز کے اندر مطلوب ہے وہی کیفیت نماز کے باہر دفتر میں، دوکان میں، کھیت میں، کھلیان میں، دن میں، رات میں، سفر میں، حضر میں، خلوت میں، جلوت میں، غرضیکہ ہر لمحہ یہی نماز والی کیفیت غالب رہے۔ نماز میں کونسی کیفیت مطلوب ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ معراج کا لغوی معنی عروج ہے مگر تصوف کی اصطلاح میں اس سے مراد حضوری حق ہے۔ جیسا کہ سرکار ﷺ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ نماز میں ایسی کیفیت ہونی چاہیے کہ نمازی اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یہ نہیں تو کم از کم یہ ہونا چاہئے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ یہی کیفیت ہر وقت ہر میدان میں ہونی چاہیے۔ جب یہ حالت قائم ہو گئی کہ بندہ ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یا اللہ بندے کو دیکھ رہا ہے تو سمجھو کہ معصیت ختم ہو گئی۔ یہی نماز سے مطلوب ہے۔ کیونکہ نماز برائیوں سے بچاتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کا غلبہ طاری نہ ہوا تو سمجھو کہ نماز ادا تو ہو گئی مگر قائم نہیں ہوئی۔ یہ تو مختصراً بحث تھی لفظ اقامت کی، اب ذرا لفظ دین کی طرف آیئے۔ دین کا لفظ قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے جس کا مطلب علماو فقہا نے ضابطہ حیات بتایا ہے یعنی پیدائش سے لے کر مرنے تک نجی، اجتماعی، معاشرتی، معیشتی، قومی اور بین الاقوامی مسائل تک کے حل کے لئے دین ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ دین اسلام اپنے ماننے والے کی کسی ایسی زندگی کا قائل نہیں جس میں اس کا دخل نہ ہو، بیت الخلا میں آنے جانے سے لے کر وظیفہ زن و شو تک کے آداب سکھاتا ہے لہٰذا فرد ہو یا جماعت حاکم ہو یا رعایا، آجر ہو یا آجیر، امیر ہو یا فقیر کسی کو بھی دین اپنی من مانی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

اب جب کہ اقامت کا مفہوم کسی شے کو سیدھا کھڑا کرنا یا اس کا پورا پورا حق ادا کرنا ٹھہرا اور دین کا مطلب دنیا میں زندگی گزارنے کا وہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی شکل میں محمد ﷺ کے ذریعے بندوں کو دیا تو اقامت دین کا مفہوم لازماً یہی ہوا کہ اسے ماننے والے پہلے تو اس سے پوری طرح واقف ہوں، اس کے مبادیات کو جانتے ہوں، اس کے اوامر و نواہی کا علم رکھتے ہوں۔ قرآن حکیم مسلم امہ کی غائت کیا مقرر کرتا ہے اور پھر اس غائت تک رسائی کا کونسا راستہ تجویز کرتا ہے یہ سب کچھ جاننے کے بعد اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالا

جائے۔ اس کی ہر ایک ہدائت پر عمل کیا جائے، معشیت و معاشرت، سیاست و عدالت، عبادت و ریاضت، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں دین ہی سے ہدایت حاصل کی جائے۔ دین اسلام اس قسم کے نعروں کی اجازت نہیں دیتا کہ اسلام ہمارا مذہب ہے سوشل ازم ہماری معیشت ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ لہٰذا جب تک دین اسلام ہی کو اوڑھنا بچھونا نہ بنایا جائے اس وقت تک اس کا حق ادا نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے قائم سمجھا جائے گا۔

اب اگر ظرف نگاہی سے دیکھا جائے تو عملاً" ہم مسلمان پورے کے پورے اسلام میں داخل نہیں۔ ہمارا وہ طبقہ جسے ہم دیندار کہتے ہیں بلا شبہ اس کی شکل و شباہت مسلمانوں کی سی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا اہتمام بھی کرتا ہے، مسجد اور یتیم خانے میں چندہ بھی دیتا ہے، ذکر و فکر اور توحید و صداقت پر قائم رہنے کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ رزق حلال صدق معال میں بھی زور مارتا ہے، مقرب رب ذوالجلال کا بھی دعویٰ کرتا ہے، تبلیغ میں بھی کوشاں ہے۔ غرضیکہ تمام انفرادی اوصاف کا حامل ہے مگر دین کے اجتماعی احکام کا جب معاملہ آتا ہے تو اسے وہ دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتا کیونکہ اسے معاشرت مخلوط اور معیشت مبنی بر سود منظور، عدالتیں بدیسی اور نظام حکومت پردیسی قبول، معیشت و معاشرت اور عدالت و سیاست وغیرہ کے لئے دین میں کوئی ہدائت نہیں؟ ضرور ہے مگر شاید کہ ہم نے انہیں دنیاوی امور سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ یہ دین اور دنیا کی ترکیب اور اصطلاح بھی خوب ہے پتہ نہیں کہاں سے در آئی، قرآن و حدیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں دنیا و آخرت کا تو ذکر ہے مگر دین و دنیا کا نہیں۔ غاصب طبقہ نے کمال مکرو فریب سے اسے عوام الناس میں رائج کر دیا اور ہماری سادہ لوح اسلام پسند تبلیغی اور روحانی، مراقباتی جماعتیں، ایک غیر سیاسی، غیر جہادی، رسوماتی مذہب کا پرچار کرتی ہیں۔ صدیوں سے دینی مدارس میں درس نظامی پڑھایا جاتا ہے جس میں مروجہ سائنسی علوم نام کو نہیں، نہ ہی کوئی سیاسیات و اقتصادیات کے متعلق مضمون ہے گویا ان امور کو دنیا سمجھ کر تین طلاق دے دی ہیں۔ نام نہاد صوفیوں نے دنیا کے متعلق عجیب و غریب کہاوتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ ایک کا مقولہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں بہنیں ہیں ایک آدمی کے نکاح میں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ دوسرے گروہ کا مقولہ بلکہ نامعقولہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں سوکنیں ہیں ایک گھر میں اکٹھی نہیں رہ

سکتیں ایک کو طلاق لازم ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ اسلام میں دین دنیا کی کوئی تفریق نہیں ہے، دنیا و آخرت کا ذکر ضرور ہے دونوں میں بھلائی مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے چھوڑنے کو نہیں۔ اسی طرح ایک اور عجیب بات کو رواج دیا گیا ہے وہ پہلے تو شائد عجیب نہ لگتی ہو گی اب ضرور عجیب لگے گی۔ ہمارے سکولوں اور کالجوں میں دینیات یا اسلامیات بطور ایک مضمون کے پڑھائی جاتی ہے۔ جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ نکاح یا زیادہ سے زیادہ وراثت وغیرہ کے متعلق فقہی مسائل پڑھائے جاتے ہیں گو انکی اہمیت سے انکار نہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہی دین ہے؟ معاشیات، اقتصادیات، سیاسیات، ارضیات، فلکیات، ادویات، حیاتیات، جمالیات، طبعیات، ریاضیات اور اسی قبیل کے دوسرے سائنسی مضامین گویا دین اسلام سے فارغ ہیں حالانکہ یہ سب دینی علوم ہیں۔ دین کا ان مضامین کے متعلق اپنا ایک نکتہ نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان اشیاء کو اپنی نشانیاں (آیات) بتایا ہے۔ ان کی تخلیق میں غور کر کے تسخیر کائنات کی دعوت دی ہے۔ ہمارے اسلاف نے ان سائنسی علوم میں خوب تحقیق کی اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو موجودہ دور کی سائنسی ترقی ہمارے ہی اسلاف کی مرہون منت ہے۔ یہ غلط قسم کی ترکیبیں یا اصطلاحات اتفاقاً نہیں رواج پا گئیں بلکہ یہ ایک گہری سازش ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مسلم امہ کی ساری زبوں حالی اس دین اور دنیا کے غلط بٹوارے ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر نیت اقامت دین یا غلبہ دین حق کی ہو تو مسلمان کا ہر کام اور ہر سانس دین ہے پھر تو دولت کے انبار لگانا بھی دین، بچوں کی پرورش بھی دین، ازدواجی زندگی میں منسلک ہونا بھی دین، ہر وہ کام جو دنیاوی سمجھا جاتا ہے سب دین ہے بشرطیکہ دین اسلام کو غالب کرنے کی نیت ہو اور ہر کام سنت رسول ﷺ کے مطابق کیا جائے۔ دوسری طرف اگر خالص عبادات کبر و غرور کا باعث بنیں اور آدمی اللہ سے غافل ہو جائے تو وہ عین دنیا ہے جیسا کہ عارف رومیؒ نے فرمایا

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرو فرزند و زن

ہم نے بڑے بھولپن یا پھر مکر سے دین اور دنیا کی تقسیم کو قبول کر لیا ہے اور دین کے آدھے سے بھی کم حصے کو ہی مکمل دین سمجھ کر اور اس پر عمل کر کے اپنے آپ کو مقربان خدا

میں شامل سمجھ لیا ہے حالانکہ رسمی عبادات و ذکر و اذکار گو بہت اہمیت کے حامل ہیں مگر مقصود بالذات نہیں حصول مقصد کا ذریعہ ہیں جس کا بیان آگے چل کر اپنے مقام پر آئے گا۔

اب یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ اس وقت دین اپنی مکمل شکل میں کسی بھی اسلامی ملک میں قائم نہیں۔ بے حس ملی بے غیرتی، عریانی و فحاشی کی فراوانی، اقتدار کی بے لگامی، مقتدر کی بدکلامی، حکومتی سطح پر بدعنوانی، عدل و انصاف اور حسن اخلاق کی سوختہ سامانی کی ہر سو حکمرانی اس بات کا بین ثبوت ہے۔ ایسی ریاست جو اپنے تمام شہریوں کو احساس تحفظ نہیں دے سکتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہیں۔

امت مسلمہ کی غائت ۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ امت مسلمہ کی کوئی خاص غرض و غائت ہے جس کے لئے اسے اٹھایا گیا ہے یا عام قوموں یا دوسری امتوں کی طرح معمول کے مطابق دنیا کے پلیٹ فارم پر آگئی ہے۔ ایسا نہیں ہے یہ امت سب سے ممتاز امت ہے اور کسی خاص مقصد کے لئے بھیجی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کنتم خیر امت اخرجت للناس "تم ایک بہترین امت ہو جو انسانوں کے لئے اٹھائی گئی ہو کیونکہ تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ "تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔ تو خاص مقصد جس کے لئے خیر الامت کو پیدا کیا گیا وہ یہ ٹھہرا کہ وہ پوری انسانیت کی رہنمائی کرے ہر قسم کی فکری نظری اور عملی غلط کاریوں سے روک کر صراط مستقیم پر چلائے۔ دوسرے لفظوں میں امت کی غائت اصلاح انسانیت ہے اور اصلاح انسانیت مضمر ہے اقامت دین میں، گویا اقامت دین امت مسلمہ کی اہم ذمہ داری ہے اور باقی ساری شرعی تکالیف اس مقصد کے حصول کے لئے ہیں۔ اسی حقیقت کو دوسرے لفظوں میں یوں واضح فرمایا۔ ھو الذی ارسل رسولہ باالھد ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون "وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدائت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور پڑے مشرک برا مانیں" یہ آیتہ مبارکہ قرآن پاک میں تین جگہ آئی ہے جس میں نبی پاک ﷺ کا مقصد بعثت اس طرح بیان فرمایا ہے کہ کسی دوسری جگہ کوئی دوسرا مقصد اس طرح بیان نہیں ہوا۔ آیت شریفہ کا اسلوب ظاہر کرتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کا سب سے اہم مقصد دین حق کو باقی مروجہ باطل ادیان پر غالب کرنا ہے اور باقی جو

فرائض منصبی یعنی قرآن پاک کی آیات پڑھ کر سنانا، پیروؤں کا تزکیہ نفس کر کے اخلاق حمیدہ پیدا کرنا، نماز سکھانا، برائی سے روکنا اور نیکی کی تلقین کرنا ہیں وہ سب اس اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے فرض سے سرکار ﷺ بطریق احسن عہدہ برا ہوئے اور اپنی حیات مبارکہ ہی میں دین حق کو قائم کر کے دکھا دیا۔ اب جب بھی دین مغلوب ہو گا یعنی قوم اسے اپنی زندگیوں سے الگ کر کے ذلیل ہو جائے گی تو بحیثیت نائب رسول امت کا یہ فرض ہے کہ اسے قرآن پاک اور اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں غالب اور قائم کرے۔ اب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آج ہر طرف باطل کی گرفت مضبوط ہے حق کی علمبردار یعنی مسلم امہ بری طرح ناکام اور مغلوب بلکہ ذلیل و خوار ہے۔ معیشت ہو کہ معاشرت، دفاع ہو کہ اپنی بقا کا مسئلہ ہو ہر جگہ ہر معاملے میں ہم باطل کے دست نگر ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ حق کے علمبردار مومنین کی جماعت کو اس مغلوبیت اور مقہوریت کی حالت میں ایک لمحہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ کتاب اللہ میں مومنوں سے جو طرز خطاب ہے یعنی "اے مومنوں ایک خدا کو پوجو اور سارے انسانوں کو راہ راست کی طرف بلاتے رہو۔ باطل کے علمبرداروں سے نبرد آزما ہو کر اللہ کی زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کر دو۔ کفر کا سر کچل دو وقس علی ھذا۔ اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ اللہ کی نگاہ میں امت مسلمہ کی حیثیت ایک صاحب اقتدار جماعت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مظلومی و محکومی کی اتھاہ گہرائیوں میں نہیں بلکہ جہانبانی کے تخت پر دیکھنا چاہتا ہے کیونکہ ایسے مطالبات محکوم و مغلوب و مجبور سے نہیں حاکم و غالب و جبار ہی سے کئے جاتے ہیں لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا "اللہ تعالیٰ ہر انسان پر اتنا ہی بوجھ ڈالتا ہے جتنا وہ اٹھا سکتا ہے" اس اسلوب خطاب میں مسلم ملی زندگی کا کتنا بلند تصور ہے مگر زمانہ ادبار میں غالب قومیں مغلوب قوموں کی سوچ ہی بدل ڈالتی ہیں۔ معاشی چکروں میں اس طرح الجھا دیتی ہیں کہ محنت مشقت سے ایک پل فرصت نہیں ملتی کہ آخرت کی سعادت پر غور کیا جائے۔ آہستہ آہستہ ایسے امور پر غور کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے یہی کچھ مسلم امہ کے ساتھ ہوا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس طرز خطاب کی حکمت کو سمجھ کر ہم کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرنے میں جت جاتے مگر افسوس کہ ہم نے فرار کی راہ اختیار کر کے یہ ذمہ داری اوالامر پر ڈال دی۔ صوفیا نے صرف روحانی ترقی کے لئے تزکیہ نفس پر زور دیا اور محض ذکر و اذکار ہی میں

نجات سمجھی۔ آئین جہانبانی کو دنیاوی کام سمجھ کر اس سے اجتناب ہی میں عافیت جانی اور یہ کہہ کر بری الذمہ ہو گئے کہ کار جہانبانی خسرواں دانند و گلیم فقر بہ ازا کلیم سلطان اس طرح فقیروں نے فقیری کا راز آنکھوں سے اوجھل کر دیا حالانکہ فقیری اور امیری لازم و ملزوم شے ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک امیری فقیروں کے ہاتھ رہی دنیا جنت نظیر رہی جب امیری سے فقیری الگ ہو گئی، فقیروں نے خانقاہوں میں گوشہ نشینی ہی میں عافیت سمجھی تو اللہ کی زمین پر باطل کا قبضہ ہو گیا جو کہ فقیروں کی میراث تھی۔

آہ کہ کھو گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مال فقر سلطنت روم و شام

فقر مومن چیست ؟ تسخیر جہات
بندہ از تاثیر او مولا صفات
وائے درویشے کہ ہوئے آفرید
باز لب بربست و دم درکشید
حکم حق را در جہاں جاری نہ کرد
نانے از جو خورد و کراری نہ کرد
خانقا ہے جست و ز خیر رمید
راہبی ورزیدو سلطانی ندید

اگر ایسا نہ ہوتا تو انبیاء کے بعد سب سے بہتر انسان فقیروں کے جد امجد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پیغمبرانہ صفات کے حامل حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ امت کا امر (کام) باعث نزاع ہو گیا ہے کہیں غلط فیصلہ نہ ہو جائے تو محبوب ترین ہستی ﷺ کے بچھڑ جانے کے جان گسل غم میں مبتلا ہونے کے باوجود سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے اور امت کے اس امر کو کہ دین کا محافظ ہے بکھرنے سے بچا لیا۔ اگر چاہتے تو روضہ رسول ﷺ کے قریب کسی حجرہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہتے اور کوئی ان سے تعرض نہ کرتا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی رہبانہ زندگی سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے تو نبی پاک ﷺ سے بلاواسطہ تربیت پانے والوں کو کب گوارہ تھا کہ

رہبانہ زندگی بسر کرتے۔ چلو مان لیا یہ رہبانہ زندگی تھی تو پھر آرام و سکون سے حضور نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے تجارت کا پیشہ اختیار کر لیتے اور ساتھ مذہبی رسومات بھی ادا کرتے رہتے رہبانی کے الزام سے بچ جاتے اور نبی پاک ﷺ کو بے گور و کفن چھوڑ کر جاہ طلبی (نعوذ باالله من ذالک) کے طعنے سے بھی بچ جاتے کیا وجہ تھی کہ امت میں سب سے بہترین انسان اس سیاسی جھگڑے سے الگ نہ رہ سکے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ امر نااہل ہاتھوں میں چلا جائے یا جانے کا خطرہ ہو تو اسے صحیح ہاتھوں میں منتقل کرنے کے لئے تن من دھن حتیٰ کہ عزت و آبرو کو بھی داؤ پر لگانا عین دینی فرض ہے بلکہ کام ہی یہ ہے باقی سب کام ہیچ (کار این است و غیر ایں ہیچ) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے اور اگر قائم ہو تو اسے قائم رکھنے کے لئے قوت نافذہ کا اخیار کے ہاتھ میں ہونا ناگزیر ہے وگرنہ حضرت امام حسینؓ کو کربلا کے ریگزاروں میں کنبہ شہید کروانے کی کیا ضرورت تھی۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

کہ فقط خانقاہی اندوہ دیگری

رشی کے فاقوں سے نہ ٹوٹا برہمن کا طلسم

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اب ظاہر ہے کہ اقتدار نااہل سے چھین کر اہل ہاتھ میں دینے کے لئے تصادم ناگزیر ہے اور اس تصادم سے پہلو تہی کر کے صرف زبانی واعظ و نصیحت اور ذکر و فکر میں مشغولیت اور اس کی تلقین گو اچھی باتیں ہیں مگر فلسفہ گریز کے تحت رہبانیت ہی کے ذیل میں آتی ہیں۔ ذکر و فکر کے ساتھ ساتھ شادی بیاہ ملازمت تجارت میں مشغول ہو کر رہبانیت کے طعنہ سے بچنے کی کوشش کرنا ایک فریب نفس ہے اور عذر گناہ بدتر از گناہ کے مترادف ہے اور ایسی رہبانیت مصروف رہبانیت سے بھی زیادہ بدتر ہے کیونکہ اس میں تو راہب اور جوگی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کم از کم مستفید ہوتے ہیں اور کام و دہن کی لذتوں سے مجتنب رہتے ہیں' یہاں تو یہ حال ہے کہ اللہ کی ساری نعمتوں کا استعمال بھی ہوتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کا جو اصل کام یعنی غلبہ دین حق ہے وہ بھی نہیں کرتے۔ یاد رہے کہ غلبہ دین حق تبھی قائم رہتا ہے جب اقتدار پر چنگیزیت کا قبضہ ختم کر کے فاروقیت کے سپرد کر دیا جائے لیکن اب اسے اقتدار کا

لالچ سمجھ کر نہیں بلکہ کہہ کر راہ فرار حاصل کی جاتی ہے اور بڑے دھڑلے سے اعلان ہوتا ہے کہ ہماری جماعت سیاست سے پاک خالص روحانی اور دینی جماعت ہے سوچنے کی بات ہے کہ اگر اصلاح انسانیت کے لئے سیاسی اقتدار ناگزیر نہ ہوتا تو مذکورہ بالا بزرگ ہستیاںؒ اپنے آپ کو اس میں کیوں الجھاتیں۔ معلوم ہوا کہ انسانیت کی اصل خدمت یہی ہے یہ اگر ہو جائے تو پھر چھوٹی چھوٹی ضمنی خدمتوں کی ضرورت نہیں رہتی جو ہم کار خیر کے نام سے اللہ اور اس کی مخلوق پر احسان جتانے کے لئے کرتے رہتے ہیں کیونکہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں

اسی طرح طبقہ علما نے اپنے آپ کو مسجدوں تک محدود کر لیا ہے یا زیادہ سے زیادہ میلاد کانفرنسوں اور سیرت کانفرنسوں میں خطاب کے دوران متنازعہ مسائل بیان کر کے داد پاتے ہیں۔ بعد میں وما علینا الا البلاغ کہہ کر جان چھڑوا لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ یہی اختلافی مسائل کھول کر بیان کرنا ہی ہے اور بس۔ رہے عوام الناس تو انہیں مذکورہ بالا دونوں طبقوں نے وتعز من تشاء وتذل من تشا کی طبع زاد تاویلوں سے غاصب طبقہ کے خلاف کسی بھی اقدام کو مشیت ایزدی کے خلاف قرار دے کر سلانے کی کوشش کی ہے اور بہت بڑی تعداد کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔ اگر کوئی فرد یا گروہ میدان سیاست کا گند صاف کر کے خلافت راشدہ کے طریق پر اسلام کے عدل اجتماعی کے نفاذ کے لئے کوشش کرنے کا دعویٰ لیکر آتا ہے تو بجائے اس کے کہ انکی حوصلہ افزائی کی جائے، ان میں کوئی نظریاتی، اعتقادی، انتظامی کمزوریاں نظر آئیں تو ان کو ان کے ساتھ مل کر دور کیا جائے مذکورہ بالا سب طبقے لٹھ لے کر ان کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ یہ اقتدار کے بھوکے ہیں اور طرح طرح کی الزام تراشیاں کر کے عوام کو بدظن کر دیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انتخابات میں دینی جماعتوں کے خلاف سیکولر (لادینی) جماعتیں کامیاب ہو جاتی ہیں بعض بزرجمہر یہ فلسفہ بگھارتے ہیں کہ بھئی اگر خدمت خلق کا ہی شوق ہے تو اقتدار سے باہر آ کر بھی خدمت ہو سکتی ہے جس طرح عیدی ٹرسٹ یا برنی ٹرسٹ والے کرتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ اگر اسی طرح کی جزوی خدمت وہ بھی صرف دنیا کے حوالے سے جس کا آخرت سے کوئی تعلق نہیں (خادم کو تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اجر عطا فرمائے گا مگر جس کو ایک دن کی روٹی کھلا دی، کپڑا پہنا دیا یا بے گور و کفن لاش کی تجہیز و تکفین کر دی تو بھلا آخرت کے حوالے سے اس کی کیا خدمت ہوئی اصل خدمت تو یہ ہے جس سے دنیا جنت نظیر

بن جائے اور آخرت سنور جائے۔ یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک حق کے راستے کی تمام گروہی، طبقاتی، معاشی اور معاشرتی روکاوٹیں دور نہ کردی جائیں مطلوب ہوتی تو گنگا رام ٹرسٹ اور دیال سنگھ ٹرسٹ میں کیا کمی ہے صرف طعن تشنیع پر ہی اکتفا نہیں بعض بزعم خود دیندار "اقامت دین" کی داعی جماعت کو "جھوٹے مدعی" کہہ کر اس جماعت کے زوال کی دل سے تمنا کرتے ہیں تاکہ یہ اپنے موقف میں سچے ثابت ہوں۔ بعض افراد ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو جان مال قربان کرنے کے لئے تیار ہیں کوئی بااعتماد آدمی آگے آئے تو سہی۔ ان سے کہیے کہ بھئی آپ ہی آدمی بن جائیے کس آدمی کا انتظار ہے۔ امام مہدیؒ کے آنے کا تو کوئی وقت مقرر نہیں سینکڑوں سالوں سے یہ فریب خوردہ امت انکے انتظار میں ہے۔ گویا امامؒ کی آمد تک مسلم امہ کی زبوں حالی کا جوں کا توں رہنا مشیت الٰہی ہے اس طرح اور بہت سے گریز فرار اور رخصت کے فلسفے بیان کئے جاتے ہیں ایک ایک کو قلم بند کیا جائے تو دفتر درکار ہے۔

اب نقل و عقل سے یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ مسلم امہ کا مقصد حیات اقامت دین یا غلبہ دین حق ہے جو اپنی مکمل حالت میں باالفعل کہیں موجود نہیں۔ باقی تمام مذہبی وظائف اس مقصد کو حاصل کرنے یعنی دین حق کی سرفرازی کے لئے زاد راہ بلکہ زاد راہ جمع کرنے کا ذریعہ ہیں۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

☆ (محترمی محمد حسین صاحب کا مضمون "تعمیر ملت اور اقامت دین" قرآن و سنت کی روشنی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مکمل فکری و عملی حل پیش کرتا ہے۔ مضمون کی جامعیت و افادیت اس بات کی متقاضی تھی کہ پورا مضمون اسی مرتبہ شائع کیا جاتا مگر شمارہ کے صفحات اور دیگر مضامین کی ترتیب میں فرق آنے کے سبب اس مضمون کو دو حصوں میں شائع کیا جائے گا۔

لہٰذا اس مضمون سے صحیح معنوں میں استفادہ کی خاطر آپ دونوں حصوں کو ملا کر مطالعہ فرمائیں، شکریہ۔ منجانب ادارہ)

حضرت امام جعفر صادقؒ (ایک عظیم سائنسدان)

اعجاز احمد مغل

حضرت امام جعفر صادقؒ کی ولادت باسعادت اس پر فتن دور میں ہوئی جب حق و صداقت کے چراغ گل کئے جا رہے تھے۔ ملت اسلامیہ میں طوائف الملوکی اور فکری انتشار کا دور دورہ تھا ہر جگہ فتنہ انگیزی، عناد و فساد اور بے چینی پھیل چکی تھی۔ عوام و خواص علم و صداقت کے بجائے جاہ و منصب، سیم و زر اور تاج و تخت کے حصول میں سرگراں تھے۔ ہر طرف مفاد پرستی کا سکہ چل رہا تھا۔ ایسے دور میں حضرت امام جعفرؒ نے فکر انسانی کا رخ بدل کر حقیقت پسندی کی جانب موڑ دیا۔ آپؒ نے اپنے خطبات، مقالات، ارشادات، افعال، اعمال، کردار اور گفتار سے سائنسی بصیرت کو اجاگر کیا۔ علمی تحقیقات کے لئے جدید راہیں پیدا کیں۔ آپؒ کا مدرسہ اپنے دور کی بین الاقوامی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا تھا جس کا حلقہ تعلیم و تدریس اور تحقیق خاصا وسیع تھا اس مدرسے سے کم از کم مختلف علاقوں کے چار ہزار طالب علم تعلیم پاتے تھے۔ اس عظیم الشان اسلامی ریسرچ سنٹر اور مسلم دانشگاہ سے بڑے بڑے عالم، سائنسدان اور مفکر فارغ التحصیل ہوئے۔

آپؒ کے مشہور شاگردوں میں یحییٰ بن سعید انصاری، امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، بایزید بسطامیؒ اور جابر بن حیان جیسی جید شخصیات کے نام آتے ہیں کیمیا، فلسفہ، طبیعات، طب، تشریح الاجسام، افعال الاعضاء اور مابعد الطبیعات وغیرہ پر حضرت امام جعفر صادقؒ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ حضرت امامؒ نے ہر شعبہ علم پر قرآن و حدیث کی رو سے ایسی روشنی ڈالی کہ اہل ایمان حیران رہ گئے۔ چونکہ وہ ایک عظیم سائنسدان بھی تھے اور مختلف سائنسی علوم پر عبور بھی رکھتے تھے اس لئے ہم ان کے چند سائنسی

نظریات بھی پیش کرتے ہیں

زمین کے متعلق امام جعفرؒ کا نظریہ

حضرت امام جعفرؒ نے آج سے سینکڑوں سال قبل قرآنی علوم کی روشنی میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ زمین اپنے اردگرد گھومتی ہے (یعنی محوری گردش) اور دن رات کا باری باری آنا سورج کی زمین کے گرد گردش کی وجہ سے نہیں بلکہ خود زمین کی اپنے اردگرد گردش (محوری گردش) کی وجہ سے ہے۔ اس طرح زمین کا نصف حصہ ہمیشہ تاریک اور آدھا روشن ہوتا ہے۔ آج جدید سائنسی علوم کی روشنی میں ہم یہ بات واضح طور پر جانتے ہیں کہ نظام شمسی میں کوئی ایسا سیارہ نہیں جو محوری گردش نہ کر رہا ہو اور نظام شمسی کے سیاروں کی محوری گردش طبعی قوانین کے عین مطابق ہے۔ سورج جو نظام شمسی کا مرکز اور نظام شمسی کو چلانے والا ہے وہ بذات خود بھی محوری گردش کر رہا ہے۔ سورج کی محوری گردش خط استواء میں 25 دن و رات میں مکمل ہوتی ہے۔ قدیم زمانے کے لوگوں کے نظریات زمین کے متعلق مختلف تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ایسا سورج کا زمین کے گرد گردش کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پندرہویں سولہویں اور ستارہویں صدی کے سائنسدانوں نے ستاروں کے میکانکی قوانین کا ایک حصہ دریافت کر لیا لیکن وہ یہ نہیں معلوم کر سکے کہ زمین اپنے محور پر اردگرد بھی گھومتی ہے اور اس عظیم مسلم سائنسدان اور مفکر نے اپنے دور کے علمی مراکز سے دور افتادہ شہر مدینہ میں رہتے ہوئے ہی نوع انسانی کو زمین کی محوری گردش کے بارے میں آگاہ فرمایا۔

حضرت امام جعفر صادقؒ نے ستاروں کے میکانکی قوانین اور Gravitational Force سے بھی آگاہی دی تھی یعنی آپؒ مرکز کی طرف مائل کرنے والی

قوتوں سے بھی آشنا تھے۔ یاد رہے کہ مرکز کی طرف مائل کرنے والی قوت کی وجہ سے سیارے اپنے محور کے گرد گھومتے ہیں اور ان قوتوں کا علم رکھے بغیر کوئی بھی انسان زمین کی اپنے محور کے اردگرد گردش کے متعلق آگاہی حاصل نہیں کر سکتا۔

انسانی بدن کی ساخت

حضرت امام جعفرؒ نے فرمایا تمام اشیاء جو مٹی میں پائی جاتی ہیں انسانی بدن میں موجود ہیں البتہ ان کی مقدار ایک جیسی نہیں ہے۔ ان میں سے بعض انسانی بدن میں زیادہ ہیں اور بعض کم ہیں۔

اب تک زمین میں سے 102 سے زائد عناصر دریافت ہو چکے ہیں اور یہی عناصر انسانی جسم میں بھی موجود ہیں لیکن جسم میں ان میں سے بعض عناصر کی مقدار اس قدر کم ہے کہ ان کی تعداد کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ امام جعفرؒ کے بقول آٹھ حصے جو انسانی جسم میں بہت کم مقدار میں ہیں وہ دریافت ہو چکے ہیں ان کے نام یہ ہیں (1) مولیبڈنم (2) سیلنیم (3) فلورین (4) کوبالٹ (5) مینگانیز (6) تانبہ (7) آیوڈین (8) زنک

وہ آٹھ عناصر جو انسانی جسم میں پہلے آٹھ عناصر کے مقابلہ میں زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

(1) میگنیشیم (2) سوڈیم (3) پوٹاشیم (4) کیلشیم (5) فاسفورس (6) کلورین (7) سلفر (8) لوہا۔

وہ چار عناصر جو انسانی جسم میں زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

(1) آکسیجن (2) ہائیڈروجن (3) کاربن (4) نائٹروجن

انسانی جسم میں ان کی شناخت کوئی ایک یا دو دن کا کام نہ تھا بلکہ اس کام کا

آغاز اٹھارویں صدی عیسوی میں پوسٹ مارٹم کے ذریعے ہوا۔ پوسٹ مارٹم کے ذریعے یہ معلوم ہو سکا کہ تمام نسل انسانی چاہے وہ سفید فام یا سیاہ فام ہوں ریڈ انڈین یا دوسری مخلوط نسلوں کے انسان ہوں ان میں آکسیجن ' کاربن ' ہائیڈروجن اور نائٹروجن کی مقدار دوسرے عناصر سے زیادہ ہوتی ہے۔ ان چار عناصر کے بعد دوسرے آٹھ عناصر جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے مذکورہ چار عناصر سے کم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے آٹھ عناصر کی مقدار بدن میں مزید کم ہوتی ہے۔ یہ تناسب تمام صحت مند انسانوں میں برابر ہوتا ہے چاہے وہ قطبی علاقوں کے پاس ہوں یا استوائی علاقوں کے رہنے والے ہوں بشرطیکہ ان کا وزن اور عمر برابر ہو۔ ایک سو پچاس سال یا اس سے زیادہ کے تجربات اور ریسرچ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ امام جعفر صادقؒ کے انسانی جسم کو تشکیل دینے والے عناصر کے بارے میں نظریہ کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

امامؒ کا نظریہ روشنی

امام جعفرؒ کے علمی کمالات میں سے ایک نظریہ روشنی بھی ہے آپؒ نے فرمایا روشنی کسی چیز کی طرف سے آنکھوں میں آتی ہے۔ وہ روشنی جو مختلف اشیاء سے ہماری آنکھوں میں آتی ہے اس کا صرف کچھ حصہ ہماری آنکھوں میں چمک پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے ہم دور کی اشیاء کو اچھی طرح دیکھ نہیں سکتے اگر وہ تمام روشنی جو ایک دور کی چیز سے ہماری طرف آئے اور پتلی تک پہنچ جائے تو ہم دور کی چیز کو نزدیک سے دیکھ لیں اور اگر کوئی ایسا آلہ بنایا جائے جو ایک چیز سے خارج ہونے والی تمام روشنی کو آنکھوں کی پتلی تک پہنچا سکے تو ہم نہایت دور سے بھی اس چیز کو آسانی سے دیکھ سکیں گے۔

یہ تھیوری امام جعفرؒ کے شاگردوں کے ذریعے اردگرد کے علاقوں تک پہنچی اور جب صلیبی جنگوں میں مشرک اور یورپ سے رابطہ بڑھا تو یہ تھیوری یورپ پہنچ گئی اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جانے لگی۔ انگلینڈ کی آکسفورڈ یونیورسٹی کا مشہور استاد راجر بیکن بھی اس تھیوری کو پڑھاتا تھا، بعد میں 1208ء کے دوران فلینڈر (جو اب بلیجیم کا حصہ ہے) کے شہری لیپرشی نے اس نظریہ کی روشنی میں دنیا کی سب سے پہلی دوربین ایجاد کی۔ پھر اسی دوربین کو دیکھتے ہوئے گلیلیو نے فلکی دوربین ایجاد کی اس نے جب پہلی مرتبہ اپنی دوربین سے چاند کا نظارہ کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چاند میں بھی زمین کی مانند پہاڑوں کے سلسلے ہیں۔ اگر امام جعفر صادقؒ روشنی کا نظریہ پیش نہ کرتے تو کیا لیپرسی اور گلیلیو نظام شمسی کے سیاروں کا آسانی سے مشاہدہ کر سکتا اور پھر اپنے مشاہدات کے ذریعے کوپرلیکس کا مشہور نظریہ کہ نظام شمسی کے سیارے زمین سمیت سورج کے گرد گھوم پھر رہے ہیں کی تصدیق کر سکتا تھا؟

حضرت امام جعفرؒ کی لائیٹ تھیوری میں جو دوسرا نکتہ قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ آپؒ نے فرمایا روشنی چیزوں سے انسانی آنکھ کی طرف آتی ہے۔ حضرت امام جعفرؒ نے فرمایا کسی چیز کو دیکھنے کے لئے اس کا روشن ہونا ضروری ہے اگر وہ خود روشن نہیں ہے تو کسی چیز کی روشنی کا پڑنا اس پر ضروری ہے تاکہ اسے دیکھا جاسکے۔

حضرت امام جعفرؒ نے روشنی کی رفتار کے متعلق بھی ایسا ایک نظریہ پیش کیا جو ان کے زمانے کے لحاظ سے توجہ کا طالب ہے آپ نے فرمایا۔

"روشنی نہایت تیزی سے ہماری طرف آتی ہے اور یہ متحرک اجسام میں سے ہے" آپؒ کا یہ نظریہ روشنی کے جدید نظریئے سے میل کھاتا ہے۔

علم طبیعات اور امام جعفر صادقؒ

حضرت امام جعفرؒ نے دنیا کی تخلیق کے بارے میں یہ طبیعاتی نظریہ پیش کیا کہ

" دنیا ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرے سے وجود میں آئی ہے اور وہ ذرہ بھی دو مختلف قطبین سے مل کر بنا ہے اور اس طرح مادہ وجود میں آیا پھر مادہ کی مختلف اقسام بن گئیں یہ اقسام مادے میں ذرات کی زیادتی یا کمی کا نتیجہ ہیں"

اس تھیوری اور موجودہ ایٹمی تھیوری میں جو دنیا کی تخلیق سے متعلق ہے ذرا بھی فرق نہیں پایا جاتا اور یہ متضاد دو قطب ایٹم میں دو متضاد چارج یعنی منفی چارج اور مثبت چارج ہیں اور یہی دو چارج ایٹم کی ساخت کا سبب ہیں۔ فزکس کے قانون میں سے ایک قانون کے متعلق امام جعفر صادقؒ نے اظہار خیال فرمایا جو اجسام کے غیر شفاف اور شفاف ہونے کے بارے میں ہے۔ آپ نے فرمایا ہر وہ جسم جو جامد اور جاذب ہے وہ غیر شفاف ہوتا ہے اور ہر وہ جسم جو جامد اور دافع ہو وہ تھوڑا سا یا زیادہ شفاف ہوتا ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ جاذب کسے کہتے ہیں؟ آپؒ نے جوابا" فرمایا "جاذب یعنی حرارت والا" فزکس کا یہ نظریہ جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا ہے ایک الحاق کے ساتھ علمی قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ اس پر غور کرنے کے بعد آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف اور دوسرے صدی ہجری کے پہلے نصف میں حضرت امام جعفرؒ نے اتنا شاندار نظریہ پیش کیا۔

جدید فزکس کا قانون یہ کہتا ہے کہ جس جسم سے حرارت کی شعائیں اور الیکٹرو میگنیٹک آسانی سے گزر سکیں یعنی وہ ان دونوں شعاعوں کا موصل ہو تو وہ سیاہ ہو گا اور اس میں چمک نہ ہو گی۔ حضرت امامؒ نے الیکٹرو میگنیٹک شعاعوں کا نام نہیں لیا صرف حرارت کی بات کی ہے بہر کیف امام جعفر صادقؒ نے جو کچھ کہا وہ جدید فزکس کے قوانین کے عین مطابق ہیں۔

نظریہ عناصر اربعہ پر امامؒ کی تنقید

حضرت امام جعفرؒ نے آج سے 11 سو برس قبل جب کہ اس وقت دنیا میں صرف چار عناصر کی موجودگی کا نظریہ مذہبی عقائد کی مانند رائج تھا جسے رد کرنا سخت مشکل کام تھا۔ آپ نے علم لدنی کی روشنی میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ ہوا ایک عنصر نہیں ہے بلکہ ہوا میں چند اجزاء ہوتے ہیں سانس لینے کے لئے جن کی موجودگی اشد ضروری ہے۔

جب آکسیجن کو ہوا کی دوسری گیسوں سے جدا کیا گیا تو سائنس دانوں نے یہ خیال پیش کیا کہ جو چیز جانداروں کے زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے وہ آکسیجن ہے اور ہوا کی دوسری گیسوں کو بے فائدہ جانا گیا لیکن یہ نظریہ امام جعفرؒ کے نظریہ کے خلاف تھا اگرچہ آکسیجن جانداروں کے لئے لازمہ حیات ہے اور ہوا کی دوسری تمام گیسوں کے درمیان واحد گیس ہے جو خون کو صاف کرتی ہے لیکن جاندار خالص آکسیجن میں زیادہ عرصہ تک سانس نہیں لے سکتے کیونکہ ان کے نظام تنفس کے خلیات کی OXIDATION شروع ہو جاتی ہے اور جب کبھی انسان یا جانوروں کے پھیپھڑوں کے خلیات ایک طویل مدت تک خالص آکسیجن میں سانس لیتے ہیں تو چونکہ آکسیجن کا ان کے ساتھ Reaction ہوتا ہے اس لئے پھیپھڑوں کے خلیات جلنے لگتے ہیں اور کوئی انسان یا جانور جس کے پھیپھڑے کے تمام خلیات جل جائیں تو اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ آکسیجن کے ہمراہ دوسری گیسیں بھی جاندار کے پھیپھڑوں میں داخل ہوں۔ جب سائنسدانوں نے آکسیجن کے متعلق سانس لینے کے لحاظ سے اپنے نظریات کی توسیع کی تو ثابت ہو گیا کہ حضرت امام جعفر صادقؒ کا نظریہ صحیح ہے

یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ وہ تمام گیسیں جو ہوا میں بہت کم مقدا میں پائی جاتی ہیں۔ سانس لینے میں مفید ہیں مثال کے طور پر اوزون گیس (O3۔ OZONE) کو لے لیں جس کی کیمیائی خصوصیات آکسیجن کی مانند ہیں اور اس کا ہر مالیکیول آکسیجن کے تین ایٹموں سے مل کر بنتا ہے۔ بظاہر اوزون گیس عمل تنفس میں اتنی اہم نہیں لیکن جب آکسیجن خون میں شامل ہوتی ہے تو اس دوران یہ گیس آکسیجن کو باہر نکلنے نہیں دیتی۔ ہوا میں موجود گیسوں کے خواص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ آکسیجن کو تہہ میں بیٹھنے نہیں دیتیں اگر اس طرح نہ ہوتا تو آکسیجن سطح زمین سے ایک خاص بلندی تک چھائی رہتی اور دوسری گیسیں جو ہوا میں پائی جاتی ہیں آکسیجن کے اوپر ہوتیں نتیجتاً" زمین پر زندگی کو برقرار رکھنا ناممکن ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ امام جعفرؑ کا نظریہ کہ ہوا کے تمام اجزا عمل تنفس کے لئے ضروری ہیں انیسویں صدی سے لے کر آج تک تائید و توثیق ہو رہی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ وہ پہلے سائنسدان ہیں جنہوں نے عناصر اربعہ کے عقیدہ پر تنقید کی اور اسے قابل اصلاح قرار دیا۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ لڑکپن کے دور میں تھے عناصر اربعہ کا عقیدہ یہ تھا کہ زمین پر صرف چار عناصر ہوا، پانی، مٹی اور آگ پائے جاتے ہیں۔ یہ عقیدہ ایک ہزار سال کی مدت سے ناقابل متزلزل سمجھا جاتا تھا۔ آج ہمارے لئے یہ ایک احمقانہ سی بات ہے کیونکہ ہماری آج کی دنیا میں ایک سو سے زائد عناصر دریافت ہو چکے ہیں لیکن ۔اٹویں صدی عیسوی میں یہ ایک بڑا اور انقلابی نظریہ تھا اور اس زمانے میں انسانوں کی عقلیں اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتیں تھیں کہ ہوا ایک وسیع عنصر نہیں ہے۔ اس زمانے میں اور اس کے بعد آنے والے زمانوں میں بلکہ اٹھارویں صدی عیسوی تک حضرت امام جعفر صادقؑ کے علمی انقلابی نظریات کو

یورپ میں برداشت کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔

امام جعفر صادقؒ کے سادہ علمی نظریات

حضرت امام جعفر صادقؒ کے کلام میں ایسے محاورات اور نصائح بھی ملتے ہیں جن کو سادہ لفظوں میں بیان کیا جاتا ہے اور عام لوگوں کی سمجھ میں بھی آسانی سے آ جاتے ہیں اور بہت جلد عام ہو جاتے ہیں مثال کے طور پر امام صادقؒ فرماتے ہیں۔

"جب تم درد میں مبتلا ہو جاتے ہو تو اپنے بارے میں زیادہ فکر مند ہو جاتے ہو" یہ بات امام صادقؒ نے مدینہ میں کہی اور بعد میں افریشیائی، یورپی اور پھر امریکن اقوام تک پہنچی اور جب کسی نے جہاں کہیں بھی اس مقولے کے بارے میں سنا اسے خیال آیا کہ کہنے والے نے سچ کہا ہے یہ بات پوشیدہ ہوگئی کہ یہ مقولہ کس کا ہے لیکن یہ مقولہ تمام دنیا میں اس قدر مقبول ہوا معروف اسکالر اور کینیڈین یونیورسٹی کے پروفیسر مارشل مائیک لوہان نے اسے نفسیات کے قوانین میں شامل کر لیا اور کہا کہ صرف درد کا وقت ایسا ہوتا ہے جب ہم اپنے آپ کو نہیں بھول سکتے اور اگر ہمارے جسم کا کوئی عضو درد محسوس نہ کرے اور اگر ہم جسمانی یا روحانی تکلیف میں مبتلا نہ ہوں تو ممکن ہے کہ اپنے آپ کو بھول جائیں۔

امام جعفرؒ کا فرمان عالمگیر اس لئے ہوا کہ یہ نہایت سادہ جملہ تھا اور ہر کوئی اس نظریہ کو اپنے اوپر آزما سکتا تھا اور آزما سکتا ہے۔

(جاری ہے)

"اسلامک اسٹڈیز سنٹر اسٹراس برگ فرانس کی سیر حاصل تحقیق سے ماخوذ"

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ

(حافظ محمد یاسین)

گیارھویں صدی ہجری کے ابتدائی دو عشرے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے انتہائی ابتلاء و آزمائش کا پیغام لے کر آئے۔ یہی وہ دور تھا جب متحدہ ہندوستان میں شہنشاہ اکبر نے اپنے خود ساختہ دین الٰہی کو ہندوستان میں فروغ دینے کی کوشش کی اور دنیا دار علماء اور جاہ پرست صوفیوں کو ملا کر شریعت محمدیہ ﷺ کے خلاف وہ طوفان اٹھایا کہ اہل ایمان الحفیظ والامان پکار اٹھے۔ شہنشاہ نے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے لا الہ الا للہ اکبر خلیفہ اللہ کا کلمہ پڑھوانا شروع کر دیا۔ خود ساختہ دین الٰہی کی تائید و حمایت کرنے والے علماء سو اور ہندو پنڈتوں کو اعلیٰ مناسب اور انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ یہ بدبخت لوگ اسلامی عقائد پر اعتراضات کرتے اور اپنی تصنیفات و تالیفات پر شہنشاہ کی عظمت کا ڈھنڈورا پیٹتے۔

حد یہ ہے کہ مولوی جمعہ کے خطبہ میں سرکار دو عالم ﷺ کے اسم گرامی کی بجائے اکبر کا نام پڑھتے اور اس کے نام کا خطبہ دیتے۔ سجدہ جسے اسلام نے صرف اور صرف خدائے واحد کے لئے مخصوص کیا ہے' اکبر نے اسے اپنے لئے لازم قرار دے دیا۔ ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے گائے کی قربانی ممنوع قرار دی گئی اور ان پر جزیہ کی پابندی اٹھالی گئی۔ اسلامی تقویم کے بدلے اکبری ماہ و سال رائج کئے گئے۔

نماز' روزہ اور حج کو غیر ضروری لوازمات بتایا گیااور دین اسلام کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ ایک ہزار سال کے بعد اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے اور اب اس کی جگہ اکبر کے دین نے لے لی ہے۔ اب سب کو اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔

جو سچے مسلمان اکبر کے دین الٰہی کو ناپسند کرتے' انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی جاتیں۔ شہنشاہ کو اذان' نماز اور دوسرے دینی فرائض سے اس قدر چڑ تھی کہ اس نے اپنے اہل محل اور دیوان حکومت میں نماز باجماعت کو ممنوع قرار دے دیا۔ ان حالات میں جس مرد مومن نے اکبر کے دین الٰہی کی ڈٹ کر مخالفت کی اور سینہ تان کر میدان عمل میں اترے وہ شیخ احمد سرہندیؒ تھے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے اس دور گمراہی میں تجدید و احیائے دین کا عظیم الشان کام

لیااور جنہیں آج سارا زمانہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نام نامی سے یاد کرتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ 14 شوال 971ھ بروز جمعہ سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ پیدائش سے چند روز قبل آپ کے والد ماجد شیخ عبدالاحد نے خواب میں دیکھا کہ تمام دنیا میں تاریکی پھیلی ہوئی ہے اور اس تاریکی میں بندر، ریچھ اور سور نہایت بے دردی کے ساتھ مظلوم انسانوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یکایک شیخ عبدالاحد کے سینے سے ایک نور نکلا جس میں سے ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے جس کے سامنے تمام ظالموں، ملحدوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص بڑی ہی پر وقار آواز میں یہ آیت قرآنی پڑھ رہا ہے۔

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے"

حضرت شیخ عبدالاحد نے یہ خواب دیکھا تو کیتھل میں معروف قادری بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے پاس گئے اور انہیں یہ خواب سنا کر تعبیر دریافت کی۔ حضرت شاہ کمالؒ نے شیخ عبدالاحد کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب تمہارے گھر میں ایک سعادت مند بیٹا پیدا ہو گا، جس کی بدولت الحاد و کفر اور بدعت و ضلالت کی تاریکی دور ہو گی اور ہر طرف ایمان و نور کی روشنی پھیلے گی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا سلسلہ نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت سیدنا عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ والد گرامی حضرت شیخ عبدالاحد سلسلہ چشتیہ کے باکمال درویش تھے۔ حضرت شیخ عبدالاحد کو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ سلسلہ قادریہ میں بھی انہیں اجازت کا اعزاز حاصل تھا۔ چونکہ جید عالم تھے اس لئے آپ اپنے مریدوں کو فیوض باطنی سے سیراب فرمانے کے ساتھ ساتھ انہیں کتب معقولات اور منقولات کا درس بھی دیتے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ تعلیم حاصل کرنے کی عمر کو پہنچے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو مکتب میں داخل کرایا۔ جہاں بہت ہی کم عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے والد گرامی سے تصوف کی مشہور کتابیں اور دینی کتابیں بھی پڑھیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے والد گرامی کے دست مبارک پر بیعت کی اور سلسلہ چشتیہ میں داخل ہو کر سلوک کی منازل طے کیں سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات بھی والد ہی سے حاصل کئے البتہ خرقہ خلافت حضرت شاہ کمالؒ سے حاصل ہوا۔

1007ھ میں آپ کے والد ماجد نے اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت امام ربانیؒ حج کے ارادے کے لئے سرہند سے دہلی روانہ ہوئے۔ وہاں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے کمالات کی شہرت سن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت باقی باللہؒ نے انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا اور رہنے کی فرمائش کی، چنانچہ حضرت امام ربانیؒ حضرت خواجہ صاحبؒ کی فرمائش پر ٹھہر گئے۔

ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ آپ کے دل میں ان کے مرید ہونے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس مقصد کے لئے حضرت خواجہ صاحب سے درخواست کی، جو قبول ہوئی اور حضرت مجدد الف ثانی سلسلہ نقشبندیہ میں ان سے بیعت ہو گئے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تقریباً ڈھائی مہینے دہلی میں قیام فرمایا اور اس قلیل عرصہ میں آپ کو نسبت نقشبندی مکمل طور پر حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو خلعت خلافت عطا کی گئی اور تیسری مرتبہ سرہند سے دہلی مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مرشد کامل نے عظیم بشارتیں دیں اور اپنے مریدوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا شیخ احمد سرہندی کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے۔

اس حاضری کے بعد امام ربانیؒ مرشد سے اجازت لے کر رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے ہندوستان آنے سے قبل استخارہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت طوطا میرے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا، میں اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ اپنی چونچ سے میرے منہ میں شکر ڈال رہا ہے۔ میں نے یہ استخارہ اپنے مرشد حضرت خواجہ امکنگیؒ سے بیان کیا۔

آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں تمہاری تربیت کی بدولت کوئی ایسا مرد کامل ظاہر ہو گا جس سے ایک عالم روشن و تابندہ ہو گا اور خود تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔

حضرت باقی باللہؒ نے حضرت امام ربانیؒ کو یہ واقعہ سنا کر فرمایا میرے خواب کی تعبیر کے مصداق تم ہی ہو۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ہر لحظہ اتباع سنت کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تلقین وہ اپنے مریدوں اور ملنے والوں سے کرتے تھے۔

عبادت و ریاضت پر آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ آپ تہجد، اشراق، چاشت اور نوافل بعد مغرب (اوابین) نہایت پابندی سے پڑھتے تھے۔ عصر اور عشاء کی سنتیں

قضا نہ فرماتے اور وہ دعائیں جو خاص اوقات کے لئے احادیث میں وارد ہوئی ہیں ہمیشہ ورد فرماتے، تہجد کے لئے نصف شب کو بیدار ہو جانا ان کا معمول تھا۔

حضرت مجدد" حقوق العباد کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بیماروں کی عیادت فرماتے اور جاننے والوں میں اگر کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازے میں ضرور شریک ہوتے۔ گھر والوں کی دیکھ بھال، صاحبزادوں اور مریدوں کی تعلیم و تربیت غرض ہر بات کا خیال رکھتے اور ہر کام بحسن خوبی انجام دیتے۔

اکبر کے نام نہاد دین الٰہی کا فتنہ اٹھا تو اس کے خلاف حضرت امام ربانی" نے پوری قوت کے ساتھ مزاحمت کی۔ اس کام کے لئے اپنے احباب اور مریدوں کی خاص طور پر تربیت کی۔ جو عوام الناس کو اس فتنہ سے آگاہ کرتے تھے۔ خود حضرت مجدد" نے امراء اور علماء کو سلجھانے اور راہ راست پر لانے کے لئے خط وکتابت کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ گویا اس دور میں تبلیغ حق کے لئے میڈیا سے استفادہ تھا۔ جس کے موجد حضرت مجدد" تھے۔ شہنشاہ اکبر کے انتقال کے بعد جب جہانگیر تخت پر بیٹھا تو آپ نے خود بھی اور اپنے مریدین کے ذریعے بھی عوام الناس سے یہ عہد لینا شروع کیا کہ وہ خلاف اسلام کسی شاہی حکم کی تعمیل نہیں کریں گے۔ یہ گویا ایک بے دین حکومت کے خلاف اعلان بغاوت تھا۔ اپنی اس جدوجہد کو آپ نے شاہی فوج تک وسیع کیا اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ دین الٰہی کا قلع قمع ہوا اور ملک میں شریعت محمدیہ کا از سر نو رواج ہوا۔

جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد بعض علماء سوء اور بے دین درباریوں کے کہنے پر حضرت امام ربانی" کو دربار میں طلب کیا۔ سازش یہ تھی کہ اگر انہوں نے بادشاہ کو سجدہ نہ کیا تو انہیں شاہی فرمان کے ذریعے سزا دی جائے اور اگر سجدہ کر دیا تو اس طرح وہ عوام پر اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھیں گے اور حکومت کے لئے "دین الٰہی" کا تسلسل قائم رکھنا آسان ہو جائے گا۔ چنانچہ مجدد الف ثانی" جب دربار میں تشریف لائے تو انہیں سجدہ کا حکم سنایا گیا مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور باآواز بلند ارشاد فرمایا کہ ازروئے شریعت محمدی سجدہ صرف اور صرف خدائے عزوجل کے لئے مخصوص ہے۔

آخر اس سے بڑھ کر نادانی کیا ہو گی کہ ایک شخص اپنے ہی جیسے مجبور شخص کو سجدہ کرے۔ یہ الفاظ جہانگیر کے لئے سخت برہمی کا سبب بنے اور اس نے آپ کو غیر معینہ مدت کے

لئے قید کر دیا۔ قلعہ گوالیار سے حضرت مجددؒ کی رہائی کس طرح ہوئی۔ کہتے ہیں اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جہانگیر نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ اپنی انگلی مبارک دانتوں میں دبائے نہایت افسوس سے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر تونے یہ کیا ستم کیا۔ تونے ایک ایسے شخص کو جیل میں ڈال دیا جو سچی بات کہتا ہے۔ اس خواب کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ قلعہ گوالیار سے رہا کر دیئے گئے۔

اس واقعے کے بعد جہانگیر آپ کا معتقد ہو گیا۔ آخری عمر میں تو اکثر کہا کرتا تھا کہ ہر چند میں نے زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو آخرت میں نجات کا ذریعہ بن سکے۔ میرے پاس ایک ایسی دستاویز موجود ہے جو میں اپنے پروردگار کے حضور پیش کروں گا' امید ہے اس کے باعث میری نجات ہو جائے گی۔' وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں لے جائے گا' تو میں تیرے بغیر نہیں جاؤں گا۔

شریعت اور طریقت:۔

شریعت کے تین جزو ہیں علم ' عمل اور اخلاص ان کا حصول اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے اور یہی رضا دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ کوئی ایسا مقصد نہیں جس کے حاصل کرنے کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت پڑے۔ طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے جزو ہیں جو اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کا ساتھ دیتے ہیں ان دونوں کی تکمیل سے مقصود صرف شریعت کی تکمیل ہے۔

صراط مستقیم:۔

وظائف بندگی کو ادا کرنا اور اللہ جل شانہ کی جانب ہمیشہ اور ہر وقت متوجہ رہنا انسان کا مقصود ہونا چاہیے۔ یہ بات صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ سنت سید الانبیا و الاخرین ﷺ کی ظاہرا" و باطنا ہر طرح سے پوری پوری اتباع کی جائے۔

صرف آنحضور ﷺ کا طریقہ ہی صراط مستقیم ہے۔ اس کے علاوہ تمام راستے ٹیڑھے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ہدایت سب ہدایتوں سے بہتر ہے' باطن ظاہر کو پورا کرنے والا ہے۔ یہ دونوں بال برابر بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں' مثلا" زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا دور کرنا طریقت اور حقیقت ہے۔

ولایت کانشان اتباع شریعت ہے:۔

وہ علامت جس سے اس گروہ کا سچا یا جھوٹا جدا ہو سکے یہ ہے کہ جو شریعت پر استقامت رکھتا ہو اور اس کی مجلس میں دل کو حق تعالیٰ کی طرف رغبت و توجہ پیدا ہو جائے اور ماسوا کی طرف سے دل سرد ہو جائے وہ شخص سچا ہے اور جن کو ان کے ساتھ مناسبت نہیں وہ محروم مطلق ہیں۔

دین مبین کے لئے نہایت عظیم الشان کارنامے اور شب و روز خدمات جلیلہ انجام دینے کے صلے میں امت مسلمہ نے بالاتفاق آپ کو مجدد تسلیم کیا ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے محافظ ہوں گے۔ یعنی وہ اہل افراط و تفریط کی تحریفات' اہل زیغ کی تراشی ہوئی بدعات اور حق نا آشنا کی تاویلات سے دین کو محفوظ رکھیں گے اور اس کو اس کی اصل شکل میں جیسے کہ وہ ابتدا میں خود نبی کریم ﷺ کے ذریعے آیا تھا' امت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے اور اس میں ایک نئی روح پھونکتے رہیں گے۔ امانت دین کی حفاظت کا فریضہ جس طریقے سے حضرت امام ربانیؒ نے اپنی زندگی میں انجام دیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ علامہ اقبالؒ نے ٹھیک ہی تو کہا تھا۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وفات:۔

ذوالحجہ کے مہینے میں حضرت مجددؒ کو سانس لینے میں تکلیف ہوئی اور ساتھ ہی سخت بخار بھی ہو گیا۔ آخر 28 صفر 1034ھ کو 63 برس کی عمر میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار شریف سرہند (بھارت) میں مرجع خلائق ہے۔

(ماخوذ از "اولیاء اللہ" مرتبہ عابد نظامی)

کائنات کا محور، تبدل اور عمل و ردعمل

ڈاکٹر ہلوک نور باقی

والسماء ذات الرجع O

ترجمہ :۔ "قسم ہے ہٹتے بڑھتے چلنے والے آسمان کی (عمل و ردعمل والے آسمان کی)"۔

قرآن میں سورۃ الطارق بھی تفسیر کے لحاظ سے انتہائی مشکل سورتوں میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ آیات نمبر 13 اور 14 میں اعلان کیا گیا ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا آخری اور فیصلہ کن کلام ہے اور یہ اس لئے نہیں ہے کہ نااہل لوگ اس کی تشریحات کریں۔ آیت نمبر 13 میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ ایک نپی تلی (محکم) بات ہے، تو یہ سورۃ الطارق کو خاص اہمیت دینے والا کلام ہے جس کی ہر ایک آیت مقدسہ عظیم سائنسی سچائیوں کو بیان کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی مفسرین نے یہ مناسب سمجھا کہ ان آیات کی تشریح اس زمانے کی سائنس سے ربط جوڑے بغیر کی جائے یہ ایک صحیح طریقہ تھا۔ مگر بعد کی صدیوں میں اس احتیاط کو نظر انداز کر دیا گیا۔

پہلا سائنسی پیغام جو یہ سورۃ دیتی ہے وہ خود لفظ "الطارق" ہے۔ شروع کے زمانوں میں اس کا معنی طارق ستارہ نہیں تھا۔ لیکن بعد کے مفسروں نے الطارق کے معنی بہت سے چمکدار ستارے کئے۔ بہرحال اس سورۃ کی آیات نمبر 2 اور 3 صاف ظاہر کرتی ہیں کہ طارق ستارہ قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔

موجودہ دور کے سماوی طبعیات (اسٹروفزکس) کے تحت دریافتوں کو مدنظر رکھ کر یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ طارق کے معنی کوثر زیا نیم نجمی ریڈیائی منبے، یعنی زائد کہکشانی منبے لئے جائیں جو کہکشاؤں کی نسبت لاکھوں گنا زیادہ روشنی خارج کرتے ہیں۔ ایک اور نکتہ نظر سے، یہ پانچویں یا چھٹے آسمان کی مقرر کردہ فضاؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک کوثر کہکشاؤں کے لئے ایک بیجوں والی کیاری کا کام سرانجام دیتی ہے۔ اور یہ اربوں کی تعداد کی حامل مزید کہکشاؤں کو جنم

دیتی ہے۔

صرف پچیس سال قبل تک آسمانوں اور کائنات کے بارے میں علم نہ ہونے کے برابر تھا۔ سماوی طبعیات کے وہ ماہرین جو الحاد میں مبتلا تھے اپنے تئیں ان خوش کن تصورات میں مبتلا تھے کہ کائنات محض ان دیوہیکل ستاروں کے گچھوں کی صورت تھی جس کی وسعت میں یہ سب بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے نزدیک ایک مخصوص سائز کے سیارے اپنے اپنے سورجوں کے اردگرد طواف کرتے تھے اور جب ان سورجوں کی توانائیاں معدوم ہو جاتی تھیں یا خرچ ہو جاتی تھیں، تو یہ لامکاں میں روپوش ہو جاتے تھے۔ کائنات کے متعلق جدید نظریات اس وقت پیدا ہوئے، جب کوثرز اور کائناتی سیاہ شگافوں (Black Holes) کی دریافتیں ہوئیں۔

اسٹرو فزکس کے ماہرین کے علم کے مطابق کائنات کے سلسلے میں نظریات یا قوانین کے چار اہم گروپ ہیں۔

1۔ ثقلی کشش اور مرکز گریز (CENTRIFUGAL) قوتوں کے درمیان عمل اور رد عمل یعنی شدید قسم کے ثقلی میدانوں کی موجودگی کے باوجود سیاروں اور دوسری اشیاء (مخلوقات) کے وجود کا طواف کرتی ہوئی حرکت کے ذریعے تحفظ مہیا ہونا یہ عمل اور رد عمل کا سلسلہ ہر لمحہ کشش ثقل کے ذریعے توازن کی حالت میں رہتا ہے۔

2۔ سیاہ شگافوں اور کوثرز کے درمیان عمل اور رد عمل کا سلسلہ ایک مرتا ہوا یا معدوم ہوتا ہوا ستارہ کشش ثقل کی اس اکائی میں تبدیل ہو جاتا ہے جس سے کوئی چیز بچ نہیں سکتی اور مادہ اور توانائی جو اس کے اندر گر جاتے ہیں ان کو کائنات میں ایک اور جگہ پہنچا دیا جاتا ہے، جہاں سیاہ شگاف، کوسموس (فضائے بسیط) کیڑے کے سوراخ (WORM HOLE) جیسے عمل کے ذریعے اپنے آپ کو سفید شگاف کے روپ میں دھار لیتا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سفید شگاف ہی ہوتے ہیں جو کوثرز کی حقیقی طور پر وسیع توانائیوں کو جواز پیش کرتے ہیں اور یہ کوثرز اپنی باری پر نئی کہکشاؤں کو وجود میں لاتی ہیں۔

3۔ مقناطیسی صلاحیت یا کوانٹم فیلڈ جو سماوی فزکس میں مظاہر قدرت کو ان کے اصلی رنگ میں ظاہر کرتی ہے۔

4۔ کائنات کا ایک نامعلوم مرکز شعاع، فوکس یا محور سے شروع ہو کر مرکز سے باہر کی طرف کا پھیلاؤ۔

میں نے بنیادی سماوی حقائق، متعدد آیات کی تشریح کے سلسلے میں اس سے قبل بھی بیان کئے ہیں۔ اب میں سورۃ الطارق کی آیت نمبر11 کے اسرار کی طرف آتا ہوں۔ قسم ہے عمل و رد عمل (ہٹتے بڑھتے) آسمان کی۔"

یہ آیت اس حقیقت پر زور دیتی ہے کہ آسمان میں عمل و رد عمل کا سلسلہ ہے۔ یہ عمل و رد عمل جسے RECIPROCITY کہتے ہیں، اصل میں کیا عجوبہ ہے؟

عمل و رد عمل کا فعل دو متعلقہ مگر مخالف واقعات میں ہر ایک کے اپنے اندر ہونے والے محوری یا دوری تبدیلی کا واقع ہونا ہے۔ اس کی مثالیں کچھ اس طرح ہو سکتی ہیں۔ جیسے ایک نکتے یا مقام تک رسائی اور پھر اس سے واپسی۔ ایک بیماری کا دوبارہ ہو جانا۔ کسی مخلوق کا فنا ہو جانا اور پھر وجود میں آ جانا یا کسی جسمیہ (جاندار) کی موت اور اس کی حیات نو، یہ سب عمل و رد عمل کے واقعات ہیں۔

یہ تو عیاں ہے کہ آسمانوں میں عمل و رد عمل کے عقدے کا حل سورۃ الطارق میں پنہاں ہے۔ دراصل کوثر زہی اس عمل و رد عمل کے فعل کا مظہر ہیں فضائے بسیط کی گہرائی میں بہت سے ستارے سیاہ شگافوں میں فنا ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کواثر زنئی کہکشاؤں کو جنم دیتی ہیں۔ یہ عمل و رد عمل کا فعل وقت کے اس عرصہ میں وقوع پذیر ہوتا ہے جس کا اندازہ اربوں سالوں پر محیط ہے یہی وجہ ہے کہ آسمان، عمل و رد عمل کے فعل میں ہیں۔ تخلیق، دوسرے قالب میں ڈھل جانا اور انجام کار تباہی سے ہمکنار ہو جانا، ایک ایسا سلسلہ ہے جو کائنات میں بغیر کسی وقفے کے جاری ہے۔

ایک اور بھی کم سمجھ آنے والا پہلو آسمان یعنی فضائے بسیط میں کائنات کے پھیلتے چلے جانے کا عمل ہے۔ مگر چونکہ سائنس نے ابھی تک اس معاملے میں کوئی حتمی بات نہیں کی ہے ہم بھی اس کی پیمائش جسامت کے متعلق مزید بحث یا خیال آرائی کو اس مقام پر ہی ملتوی کرتے ہیں۔ ایک اور تشریح اس طرح سے بھی کی جاتی ہے کہ اللہ کا کرم اور شفقت زمین کی طرف اترتا ہے

جب کہ اللہ کے لئے تعریف اور شکر اوپر آسمانوں کی طرف جاتے ہیں مگر یہ بھی اس وقت ہمارے موضوع سے باہر ہے۔

اس موقع پر میں ایک اہم نکتے کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔ سماوی طبعیات کے علم (اسٹرو فزکس) میں کہکشاں اور فضائے بسیط کی اصطلاحیں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ جب کہ دوسری طرف قرآن میں لفظ آسمان ہمیشہ سماوی طبعیات کے سلسلے ہی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ ہے۔

جدید علم طبیعات چونکہ کائنات سے متعلق تمام تحقیقات ، چار جہتوں ہی کے سیاق و سباق میں کرتی ہے اور اس علم میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ کائنات صرف مادہ ہی سے بنی ہوئی ہے۔ اور تمام دنیاؤں کو اسی نکتہ نظر سے دیکھتی ہے اس کے برخلاف قرآن دنیاؤں کا نظارہ لا تعداد جہتوں سے کرتا ہے۔ جہاں یہ دنیائیں وہ مکمل نظام ہوتی ہیں جن کی اصل مضبوطی ان کی چار جہتوں کے ذریعے سے بھی ہوتی ہے۔ اب وہ کائناتیں جنہیں ہم آسمان یا فضائے بسیط بھی کہہ سکتے ہیں ایک طرح کی پیٹیوں کے آسمانی نظام سے بنی ہوتی ہیں جہاں مقناطیسی قوتیں اپنا کام کر رہی ہوتی ہیں اور جہاں فزکس اور جیومیٹری کے اصول صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ صرف اس نازک فرق کو واضح کرنے کے لئے قرآن میں سائنس سے متعلق تمام آیات میں لفظ آسمان ہی استعمال ہوا ہے مگر قرآن اپنی پہلی ہی آیت سے لے کر ہمیں دنیاؤں کا ذکر اس کی عظمت اور ان کی ان گنت خوبیوں اور صلاحیتوں سمیت کرتا ہے کہ "تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔"

جیسا کہ اس سے پہلے میں نے بیان کیا ہے کہ آسمانوں کی تخلیق اس جیومیٹری اور مادی نظام سے ہوئی ہے جو سات مقناطیسی پیٹیوں پر مشتمل ہے اور در حقیقت جنت کا تصور ان آسمانوں کے اندر ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کو ایک ایسی دنیا تصور کیا گیا ہے جس کی پیمائش جسامت بالکل ہی الگ قسم کی ہیں۔ میں اس مضمون کی طرف آئندہ آنے والے جنت کے موضوع میں آؤں گا۔

دوسری دنیاؤں اور ان کی پیمائش جسامت کا سمجھنا واقعی بہت مشکل ہے۔ اس کی مثال یہ

ہے کہ اگر ہم ایک ایٹم کے اندر رہ رہے ہوتے تو ہم یہ خیال کرتے کہ شاید فضائے بسیط صرف اس کی اپنی توانائی کے مدار تک ہی محدود ہے اور یہ کہ ساری وسعت اس بیحد چھوٹی سی دنیا میں محیط ہے۔ چنانچہ ہم سورج کے متعلق تفصیلات کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں مزید یہ کہ اس دنیا میں جہاں ہماری ہستی اگر ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصے کے برابر وقت کی ہوتی تو ہم دنوں اور سالوں کو کس طرح سمجھ سکتے' آسمانوں اور دوسری جسامت کی پیمائشوں کا جنہیں ہم ابھی تک بیان کرنے کی حیثیت میں نہیں ہیں کے درمیان عمل و رد عمل (ریسی پروسٹی) بھی اسی طرح ایک سربستہ راز تھے۔

سائنس کو یہ ایک نیا راز بتا دیا گیا ہے کہ کائنات میں وقت ہر جگہ ایک ہی رفتار سے نہیں گزرتا۔ ہم نے یہ حقیقت کائناتی شعاعوں کے شدید اتار چڑھاؤ اور ان کے خفیہ اور پیچیدہ سفر کے مطالعہ سے سمجھی ہے۔ اگرچہ زمین پر ان کے ناپائیدار بنیادی ذرات کے گروہ کی عمر ایک سیکنڈ کے ایک ارب حصے سے بھی کم ہوتی ہے مگر کائنات کے دوسرے حصوں میں وقت کی فراخی یا (DILATION) کی وجہ سے ان کا وجود کئی دنوں تک باقی رہ سکتا ہے۔ یہ ایک دوسرے نئے نظام کا عجوبہ ہے۔ یعنی وقت کے بہاؤ (فلو) کے حساب سے آسمانوں کے درمیان بھی عمل اور رد عمل کا فعل موجود ہے۔ چنانچہ یہ ہیں وہ عظیم طبیعات سچائیاں جن کو یہ آیت مقدسہ عمل رد عمل کی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔

براہ کرم آپ اس موضوع کی تشریح کے سلسلے میں ہمیں پیش آنے والی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس امر کا مشاہدہ کریں کہ کس طرح انتہائی جدید اور ترقی یافتہ علم طبیعات (فزکس) بھی کتنی شدید مشکلات سے گزر کر اس کو سمجھتا اور بیان کرتا ہے۔ میرے چند دوستوں جنہوں نے اس تشریح کے مسودے کو اسی صورت میں پڑھا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ میں مزید طویل تشریح کے ذریعے اس کو زیادہ سادہ اور آسان بنا دوں مگر میرے لئے زیادہ سچائی اس بات میں ہے کہ قرآن کی فطری عظمت کا مشاہدہ ماہرانہ فزکس کی نظر سے ہی کیا جائے اور نہ تو مجھے اور نہ ہی کسی اور کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس میں ذرا سی بھی کمی یا تخفیف کرے۔ (ماخوذ قرآنی آیات اور سائنسی حقائق)

نبی آخر زمان ﷺ کی صداقت

(دوسری قسط)(ویدوں سے ثابت)

وہ کون سی قوم ہو سکتی ہے؟

اب آیئے اس قوم کی تلاش کی طرف جسے پروردگار عالم قوموں کی امامت کے منصب پر فائز کرنا چاہتا ہے اگر اللہ اور اس کے رسول نے تبدیلی کی خبر اور وقت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے تو یقیناً اس قوم کی نشاندہی بھی کی ہو گی۔ تبدیلی قوم کی جن آیات کے تراجم اوپر نقل کئے جا چکے ہیں ان کی مختلف تفاسیر پر نظر ڈالیں۔

سورہ محمد آیت 38 کے ذیل میں عبدالرزاق، عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی .... "اور اگر تم پیٹھ پھیرو گے"۔ تو صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آخر یہ کون لوگ ہیں جو اس وقت ہماری جگہ بدل کر آئیں گے جبکہ ہم نے پیٹھ پھیر دی ہو اور مزید یہ کہ ہم جیسے نہ ہوں گے۔ تب حضور ﷺ نے حضرت سلمانؓ کے کندھے پر تھپکی دی اور فرمایا۔ "یہ ہے وہ اور اس کی قوم ہے وہ اور قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا پر چلا جائے تو فارس کے یہ لوگ وہاں تک اسے ڈھونڈتے ہوئے پہنچ جائیں گے" سورہ جمعہ آیت 3 کے ضمن میں بھی اس مضمون کی روایت بخاری میں آئی ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت 54 کے ذیل میں تفسیر فتح القدیر میں ہمیں جو روایات ملی ہیں ان کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

ابن جریر نے شریح بن عبید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب اللہ نے یہ آیت نال فرمائی تو حضرت عمرؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اور میری قوم مراد ہے؟ فرمایا "نہیں بلکہ یہ شخص اور اس کی قوم یعنی ابوموسیٰ اشعریؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ شخص اور اس کی قوم"

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی تو حضور ﷺ نے فرمایا "اے ابوموسیٰ اشعری یہ تیری قوم ہے یمن کی قوم"

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس آیت پر فرمایا "وہ اہل یمن کی قوم میں سے ہیں" سورہ توبہ آیت 39 کے ذیل میں تفسیر فتح القدیر جلد دوم ص 345 پر علامہ شوکانی لکھتے

ہیں " اور اس پر اختلاف رائے ہے کہ یہ کون لوگ ہیں چنانچہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یمن والے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ فارس والے ہیں اور دلیل کے بغیر اس جگہ کے تعین کی کوئی شکل نہیں ہے"

اب آپ غور فرمائیں کہ کیا (نعوذ باللہ) اللہ کے سچے رسول ﷺ مختلف موقعوں پر مختلف صحابہ سے الگ الگ قسم کی متضاد باتیں کہہ سکتے تھے کہ حضرت سلمان فارسی ؓ سے ان کے منہ پر اہل فارس (ایرانی) کو بتا دیا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری جو یمن کے رہنے والے تھے ان کے سامنے اہل یمن کہہ دیا؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً" نہیں ہے (اور آپ ﷺ کی زبان پر ہمیشہ حق بولتا تھا تو پھر ہمیں ان دو بظاہر متضاد قسم کی روایات میں تطبیق ڈھونڈنا پڑے گی۔ دنیا میں صرف ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں یہ دونوں قومیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ اہل فارس (ایرانی) آرین نسل کے لوگ تھے اور شمالی ہندوستان میں آرین نسل کے لوگ آکر آباد ہوئے۔ جنوبی ہندوستان کے دراوڑ نسل کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد یمن میں آباد تھی۔ بدھ مت کو ماننے والی سندھی قومیں میسد' سبابجہ 'سیابجہ اور احمرہ نامی قومیں بھی یمن میں آباد تھیں۔

ان دونوں نسلوں کا ایک ہی ملک ہند میں اکٹھے ہونا بھی ناظم کائنات ﷺ کے نظم انتظام کا ایک نمونہ ہے تاکہ اس کے رسول کی اس وقت بظاہر متضاد پشین گوئیاں یہاں سچی ثابت ہو سکیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اہل ایران اور ان کی ہمدرد صرف حضرت سلمان فارسی ؓ سے متعلق روایات کو لے کر موجودہ ایرانی انقلاب کا ذکر کرتے ہیں۔ ہم ان کے بارے میں خوش گمانی رکھتے ہوئے صرف اتنا کہہ سکتے ہیں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے متعلق روایات پر ان کی نظر نہیں پڑ سکی ہو گی جو جاٹوں کے اولین قبول اسلام میں بھی عہد آفرین تاریخی رول ادا کر چکے ہیں

مولانا عبید اللہ سندھی ؒ جو حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفے کے سب سے بڑے علمبردار تھے اپنی کتاب میں سورہ جمعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

.... ہمارے نزدیک واخرین منھم کے مصداق اہل ایران' ہندوستان والے اور اس ضمن میں جو اور ان کے ساتھ شامل ہوں"

یہاں حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کی ایک پشین گوئی بھی سنتے چلیں۔

" اور جس بات کا مجھے یقین ہے وہ یہ کہ اگر مثلاً" ہندوؤں کا ہندوستان کے ملک پر

تسلط محکم اور ہر پہلو کے اعتبار سے ہو جب بھی اللہ کی حکمت کی رو سے یہ واجب اور ضروری ہے کہ ہندوؤں کے سرداروں اور لیڈروں کے دل میں یہ الہام کرے کہ وہ دین اسلام کو اپنا مذہب بنالیں"

شاہ صاحبؒ کی مغلوں کے دور میں کی گئی پشین گوئی کا پہلا جز پورا ہو چکا ہے یعنی ہندوستان پر عملاً" ہندوؤں کا تسلط محکم ہو چکا ہے انشاء اللہ اس پشین گوئی کا اگلا حصہ یعنی اس قوم کا قبول اسلام بھی ضرور پورا ہو گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے وہ کم از کم دلائل سامنے رکھ دیئے ہیں جو اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ امت محمدی ﷺ کے دو حصے ہیں پہلے حصے یعنی موجودہ امت محمدی ﷺ کی عمر پندرہ سال ہے۔ ہندوستان کی ہندو قوم اس امت کا دوسرا حصہ یعنی آخرین ہیں۔ یہ قوم بحیثیت مجموعی اسلام قبول کرلے گی اور اس وقت امامت عالم کے منصب پر سرفراز ہو گی۔

دل و دماغ کو جھنجھوڑ دینے والی اس خبر کو سن کر ایک رد عمل تو یہ ممکن ہے کہ آپ اسے فرضی تانوں بانوں سے بنا ایک عیال افسانہ قرار دے کر مگن رہیں بصورت دیگر ایمر جنسی (ہنگامی) حالات میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پا کر خود ہی فیصلہ کریں اپنی اصلاح کریں اپنے نصب العین پر غور کریں اور اس قوم کو دعوت دینے کا طریقہ کار سوچیں جو دنیا کی امام بننے جا رہی ہے۔ اگر اس کے ایمان لانے میں کچھ حصہ تمہارا بھی شامل ہو جائے تو تمہاری کتنی بڑی کامرانی ہو گی ورنہ اللہ کا وعدہ برحق ہو گا اور وہ ہماری مدد کا بالکل محتاج نہیں ہے۔

جس سورہ توبہ کی آیت نمبر39 میں قوم کی تبدیلی کیے جانے کی خبر دی گئی تھی اس کی اگلی آیت نمبر40 میں یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ---

اگر تم نے اس رسول کی مدد نہ کی تو نہ کرو اور سابقہ تاریخ سے پوچھ لو کہ تنہا اللہ اس کی اس وقت مدد کر کے دکھا چکا ہے جب اسے انکار اور کفران نعمت والوں نے (بے گھر اسلام کے پہلے دور اجنبیت میں) نکال دیا تھا اور غار ثور میں وہ وہی رہ گئے تھے اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اس پر سکون دل کا خزانہ الٹ دیا اور ان دیکھے لشکروں سے اس کی ایسی مدد کی کہ کفر کی بات کرکری ہو گئی اور اللہ کا بول بالا ہو کر رہا اور اللہ؟ وہ تو ہے ہی سراپا قوت و اقتدار سراپا حکمت و قار

(اقتباس اگر اب بھی نہ جاگے تو) (جاری ہے)

کلامِ اقبالؒ

عبدالرشید ساہی

نمبر1

گدائے میکدہ کی شان بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمہ حیواں پہ توڑتا ہے سبو

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ مرشد کامل کے ہاتھ سے میخانہ یثرب کی کشیدہ شراب طہور کا ایک جام بھی پی لیتے ہیں ان کے اندر اس درجہ شان بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اگر کسی وقت چشمہ حیواں یعنی آب حیات کے کنارے پر بھی پہنچ جاتے ہیں تو اس کے پینے کی آرزو مطلق ان کے دل میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی شانِ استغناء کا اثبات کرنے کے لئے اپنا سبو یعنی پیالہ ہی توڑ دیتے ہیں۔ اس بے نیازی کا سبب یہ ہے کہ جسے باعث ایجاد عالم یعنی ساقی یثرب ﷺ نبی مکرم و محترم ﷺ اپنے دست حیات بخش سے اپنی محبت کا جام پلا دیں اسے ابدی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ مرشد کامل کا ہاتھ ظلی طور پر حضور ﷺ کا ہاتھ ہوتا ہے کیونکہ ان کا منشا و مقصد صرف اور صرف انسان کو اتباع رسول ﷺ پر کاربند کرنا نسبت حبیب ﷺ پر چلانا ہی ہوتا ہے اور اتباع رسول ﷺ ہی میں خدا تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا راز پوشیدہ ہے۔ اب اگر یہ وسوسہ لاحق ہو کہ مرشد کامل کا ہاتھ آپ ﷺ کا ہاتھ کیسے ہوتا ہے تو قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرو ارشاد ربانی ہے یداللہ فوق ایدیھم خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ یہ نبی اپنی طرف سے بات نہیں کرتے بلکہ ان کا بولنا خود خدا کا بولنا ہوتا ہے

لو شمع حقیقت کی ہے اپنی جگہ قائم
فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے

نمبر2

میرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

علامہ اقبالؒ اس شعر میں فرماتے ہیں کہ آج کل یا تو خانقاہوں میں مجاور باقی رہ گئے ہیں جنہوں نے جمعراتیں باقاعدہ اپنے نام الاٹ کر رکھی ہیں اور تمام مقامی بد قماش لوگوں کی سرپرستی کو اپنا مشغلہ حیات بنا رکھا ہے یا کچھ گور کن ہیں جو "زندہ در گور" کا مصداق بنے بیٹھے ہیں جن کی گذر اوقات کا ذریعہ کفن فروشی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ قوم کو مشورہ دیتے ہیں کہ میرا کلام ان حقائق اور معارف سے لبریز ہے جو کسی زمانے میں خانقاہوں سے حاصل ہو سکتے تھے اب چونکہ خانقاہوں میں اسلاف پرستی، قبر پرستی اور پیر پرستی کے سوا اور کچھ نہیں ہے اس لئے میرا کلام انسانیت کی اصلاح کے لئے بڑا موزوں ہے۔ اس کلام کو غنیمت سمجھو اور جاہل صوفیوں کی محبت میں تضیع اوقات سے یہ بہتر ہے کہ خلوت میں میرے کلام کا مطالعہ کرو۔ دراصل اسلام کو جتنا نقصان نام نہاد صوفیوں نے پہنچایا ہے اتنا نقصان غیر مسلموں نے نہیں پہنچایا کیونکہ خانقاہوں کو آج کل صرف پیٹ پوجا کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔ دین اسلام کی اشاعت اور فروغ سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ قوم کو قرآن اور حدیث سے متعارف کروانے کی ضرورت ہے کیونکہ 30 پاروں پر مشتمل کتاب اللہ تعالیٰ نے محض انسانیت کی فلاح اور رہنمائی کے لئے نازل فرمائی اور اپنے عزیز ترین محبوب رسول ﷺ کو دنیا میں صرف اس لئے مبعوث فرمایا کہ انسان ان کی اتباع کے ذریعہ سے مجھ تک رسائی حاصل کر سکیں اور اپنی دنیا و آخرت کو بہتر بنا سکیں

قرآن مجید کی سورہ یونس میں ارشاد ربانی ہے۔ "اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو برے کاموں سے روکنے کے لئے نصیحت ہے اور دلوں میں جو برے کام کرنے سے روگ ہو جاتے ہیں ان کے لئے شفا اور رہنمائی ہے اور مومنین کے لئے ذریعہ رحمت اور ثواب ہے"
اس سے مراد قرآن مجید ہے جو کہ قیامت تک کے لئے انسانیت کے لئے نسخہ کیمیا

ہے لیکن افسوس کے آج انسانوں نے قرآن مجید سے منہ موڑ لیا ہے۔اس کے احکامات پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اس کو ریشمی غلافوں میں بند کر کے اونچے طاقوں میں سجا دیا ہے حالانکہ اس کلام کو دل میں سجانے کی ضرورت تھی، اس لئے انسان اخلاق اور ترقی سے بیگانہ ہو گئے اور برائیوں کے عمیق گھڑوں میں گر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ان کو ان کے حال پر چند روز چھوڑ دیا جاتا ہے"

اے مسلمان ! اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

نمبر3

میں نو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو۔

علامہ اقبال" فرماتے ہیں اے ذات کبریا میں ابھی نیاز مندی کے رنگ میں پختہ نہیں ہوں اس لئے مناسب یہ ہے کہ تو مجھ سے پردہ ہی کرے میرا دل تو قابو سے باہر ہے ہی لیکن میری نگاہ میرے دل سے بھی زیادہ بے قابو ہے۔ میں ڈرتا ہو مبادا مجھ سے تیری جناب میں کوئی گستاخی سرزد ہو جائے اور اس کی پاداش میں تو مجھے راندہ درگاہ کر دے۔ شاعر اسلام کا خیال ہے کہ میرے اندر بھی شیوہ تسلیم و رضا پورے طور سے پیدا نہیں ہوا کیونکہ سلوک کے کوچہ میں بالکل تازہ وارد ہوا ہوں اس لئے مجھ سے ابھی حجاب ہی مناسب ہے مبادا شوق ملاقات میں حدود نیاز مندی سے تجاوز ہو جاؤں اور اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہو گا کہ میری روحانی ترقی رک جائے گی۔ دراصل سالک ترقی ہوش و حواس کو برقرار رکھ کر ہی کر سکتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات لائق صد عزت و احترام ہے اور وہ سب کا مالک و خالق ہے کہ اس کے مقام کا اندازہ اور تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس لئے مخلوق کو ہر گھڑی ہر لمحہ اس کے سامنے بڑے ہی محتاط طریقہ سے باادب رہنا چاہیے کیوں کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "ہم ذرہ ذرہ کا حساب لیں گے"

دنیا میں بھی یہ طریقہ رائج ہے کہ جتنا بڑا کوئی عہدہ دار ہوتا ہے اس کے لئے اتنا

ہی بڑا پروٹوکول دیا جاتا ہے لیکن جو سالک اپنے ہوش ہی کھو بیٹھے اس نے کیا خاک ترقی کرنی ہے۔ راہ سلوک میں مجذوب ہو جانے والے انسان کمزور، بزدل اور کم ظرف ہوتے ہیں دراصل وہ خدائی جلووں کی تاب نہ لاتے ہوئے راہوں سے بھٹک جاتے ہیں اور منزل مقصود سے بیگانہ ہو جاتے ہیں علامہ فرماتے ہیں۔

ملے منزل مقصود کا فقط اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

ارشاد ربانی ہے مازاغ البصر وما طغی (نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کسی طرف کو بہکی اور نہ جگہ سے اچٹی)

جو ذرا سی پی کے بہک گیا اسے میکدہ سے نکال دو
یہاں تنگ نظر کا گذر نہیں یہ اہل ظرف کا کام ہے

نمبر 4

اگرچہ بحر کی موجوں میں ہے مقام اس کا
صفائے پاکی طینت سے ہے گہر کا وضو

علامہ اقبالؒ اس شعر میں فرماتے ہیں کہ موتی اگرچہ سمندر کی موجوں میں رہتا ہے لیکن سمندر کے پانی کی بجائے اپنی پاکی طینت کی صفائی سے وضو کرتا ہے چونکہ اس کی فطرت پاکیزہ ہے اس لئے وہ سمندر میں رہنے کے باوجو سمندر کی کثافت، تلخی، عفونت اور گندگی سے اپنے آپ کو آلودہ نہیں کرتا۔ اسی طرح جو لوگ باطبع نیک اور متقی ہیں وہ بدکاروں اور ناپاک ماحول میں رہ کر بھی اپنی نیکی اور پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہیں جیسے صندل کے درخت میں زہر سرایت نہیں کرتا اگرچہ کالے ناگ رات دن اس سے لپٹے رہتے ہیں۔ یہ قانون فطرت ہے کہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے جس طرح متقی اور نیک انسان سینما گھروں اور کلبوں میں نظر نہیں آتے اسی طرح بدقماش اور بدکردار آدمیوں کو پاک محفلیں اچھی نہیں لگتیں۔

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کر گسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسم شہبازی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اچھے اور برے انسان کا معیار مقرر کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے جو میرے بندے ہوتے ہیں ان کا میرے ذکر کی محفلوں ہی میں دل لگتا ہے اور وہ وہاں بڑے شوق سے شرکت کرتے ہیں اور سرور حاصل کرتے ہیں اور میری خوشنودی پا لیتے ہیں لیکن جن کا دل میرے ذکر کی محفلوں میں نہیں لگتا اور اگر وہ ان محفلوں میں بیٹھیں بھی تو شوق سے نہ بیٹھیں تو وہ میرے نہیں ہوتے۔

نمبر5

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہ شاعر رنگیں نوا میں ہے جادو

اقبال نے اس شعر میں اپنا مخصوص فلسفہ بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں فطری شاعری کی نگاہ میں ایسا جادو پوشیدہ ہوتا ہے کہ اس کی نگاہ کے فیض سے گل و لالہ زیادہ خوبصورت معلوم ہوتے ہیں کیونکہ شاعر کی آنکھ عام آدمی کی آنکھ سے زیادہ قوی اور تیز ہوتی ہے۔ شاعر اپنی حقائق بین نظر کے فیض سے حسین چیزوں کو حسین تر بنا دیتا ہے۔ شاعر اشیائے کائنات میں اس حسن کو بھی دیکھ سکتا ہے جو ان میں موجود تو ہے لیکن عام آدمیوں کی نگاہ سے مخفی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ شاعر کی قوت تخیل عام آدمیوں سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے چنانچہ اسی قوت کی بدولت وہ کائنات میں بے جان چیزوں کو زندہ تصور کر کے ان سے باتیں کرتا ہے۔ اسی فن کی بدولت تحریک پاکستان کے دوران علامہ اقبالؒ نے مردہ مسلمان قوم کے بدن میں زندگی کی روح پھونکی اور مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے میں بہترین کردار ادا کیا اور خدا تعالیٰ نے انعام میں ہمیں پاکستان عطا کیا جس میں آج ہم اسلام کے نہیں غیروں کے نظام آزما رہے ہیں اور اسی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں ندامت، ذلت اور ناکامی اٹھا رہے ہیں اللہ ہمارا قبلہ درست فرمادے (آمین)

غسل کا بیان

حافظ محمد یاسین

غسل کے اصطلاحی معنی

لغت میں غسل کے معنی ہیں سارے بدن کو دھونا اور اصطلاحی فقہ میں اس کے معنی ہیں شریعت کے بتائے ہوئے خاص طریقے کے مطابق ناپاکی دور کرنے یا محض اجر و ثواب پانے کے لئے پورے بدن کو دھونا۔

غسل کے متعلق سات ہدایات

(1)۔ غسل خانے میں نہانا ہو یا کھلی جگہ میں بہتر یہ ہے کہ لنگی، نیکر یا اور کوئی کپڑا باندھ کر نہایا جائے۔

(2)۔ ہمیشہ اوٹ کی جگہ نہایا جائے تاکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے اور اگر اوٹ کی جگہ نہ ہو تو لنگی وغیرہ باندھ کر نہانے کا اہتمام کیا جائے۔ اور اگر باندھنے کے لئے کچھ نہ ہو تو پھر انگلی سے ایک دائرہ کھینچ کر اس کے اندر بیٹھے بیٹھے بسم اللہ پڑھ کر نہانا چاہیے۔

(3)۔ عورت کو چاہیے کہ ہمیشہ بیٹھ کر نہائے اور اگر مرد برہنہ ہو تو اس کو بھی بیٹھ کر ہی نہانا چاہیے۔ البتہ لنگی پہن کر کھڑے کھڑے نہانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(4)۔ نہانے کے دوران بات چیت نہ کرنا چاہیے مگر یہ کہ کوئی شدید ضرورت ہو

(5)۔ برہنہ نہاتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا چاہئے۔

(6)۔ ہمیشہ پاک صاف جگہ پر نہانا چاہیے اور نہانے کی جگہ میں پیشاب وغیرہ کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

(7)۔ جو چیزیں وضو میں مکروہ ہیں وہ سب غسل میں بھی مکروہ ہیں۔ ان سے بچنا چاہئے۔ اور غسل کرتے وقت وضو کی دعائیں پڑھنا بھی مکروہ ہیں۔

غسل کرنے کا مسنون طریقہ

دائیں ہاتھ سے پانی لے کر پہلے دونوں ہاتھ گٹوں کلائیوں تک دھوئے، پھر استنجا کرلے

چاہے استنجا کے مقام پر نجاست ہو یا نہ لگی ہو۔ پھر بدن پر جہاں کہیں نجاست لگی ہو اس کو دھوئے اور پھر دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح صابن وغیرہ سے دھو کر پورا وضو کرے، اہتمام کے ساتھ کلی کرتے وقت حلق میں پانی پہنچائے اور ناک میں بھی اچھی طرح پانی پہنچائے۔ ہاں اگر نہانے کی جگہ میں پانی جمع ہو رہا ہو یا زمین کچی ہو تو غسل سے فراغت کے بعد پاؤں دھوئے۔ اگر یہ غسل فرض ہو تو وضو میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے سوا اور کوئی دعا نہ پڑھے۔

وضو کے بعد سر پر پانی ڈالے پھر دائیں شانے پر اور اس کے بعد بائیں شانے پر اور پورے بدن کو اچھی طرح ملے۔ صابن وغیرہ لگا کر ملے یا ویسے ہی ملے تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور بدن بھی اچھی طرح صاف ہو جائے۔

پھر دو مرتبہ اور اسی طریقہ سے سارے بدن پر اچھی طرح پانی بہائے تاکہ کسی حصے کے خشک رہ جانے کا شبہ نہ رہے، اگر وضو میں پاؤں نہ دھوئے ہوں تو اب پاؤں دھو ڈالے اور سارے بدن کو کسی کپڑے یا تولیے وغیرہ سے اچھی طرح پونچھ ڈالے۔

غسل کے فرائض

غسل میں تین فرض ہیں

(1)۔ کلی کرنا۔ کلی کرنے میں یہ اہتمام کرے کہ پورے منہ میں حلق تک اچھی طرح پانی پہنچ جائے۔

(2)۔ ناک میں پانی ڈالنا

(3)۔ سارے بدن پر پانی پہنچانا تاکہ بال برابر بھی کوئی جگہ سوکھی نہ رہ جائے۔ بال کی جڑوں اور ناخنوں کے اندر بھی پانی پہنچانا ضروری ہے۔

دراصل انہی تین چیزوں کا نام غسل ہے ان فرائض میں سے اگر ایک بھی چھوٹ گیا تو غسل نہ ہو گا۔

چوٹی اور زیور کا حکم

(1)۔ اگر چوٹی کھولے بغیر بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچ سکے تو خواتین کے لئے چوٹی کھولنا ضروری نہیں، ہاں اگر بال بہت زیادہ گھنے ہوں یا چوٹی اتنی سخت بندھی ہوئی ہو کہ کھولے بغیر

پانی نہ پہنچ سکے تو پھر کھولنا ضروری ہے۔

(2)۔ اگر بال کھلے ہوئے ہوں تو سارے بالوں کا بھگونا اور ان کی جڑوں میں اس اہتمام کے ساتھ پانی پہنچانا ضروری ہے کہ کوئی ایک بال بھی سوکھا نہ رہ جائے۔

(3)۔ اگر مرد نے بال رکھ لیے ہوں اور عورتوں کی طرح چوٹی گوندھ لی ہو یا یونہی لپیٹ لئے ہوں تو ہر حال میں بال کھولنا اور ہر ہر بال کو بھگونا اور جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔

(4)۔ تنگ زیور جیسے انگوٹھی ' چھلا اور گلوبند وغیرہ ہو یا وہ زیور جو سوراخ میں پڑے ہوئے ہوں جیسے کانوں کے بندے ' بالی اور ناک کا پھول اور نتھ وغیرہ تو ان سب کا ہلا لینا ضروری ہے۔ تاکہ ان کے نیچے اچھی طرح پانی پہنچنے کا اطمینان ہو جائے۔

غسل کی سنتیں

(1)۔ خدا کی خوشنودی اور اجرو ثواب کی نیت سے پاکی حاصل کرنا۔

(2)۔ مسنون ترتیب کے مطابق غسل کرنا اور پہلے وضو کر کے غسل کرنا۔

(3)۔ دونوں ہاتھوں کو گٹوں سمیت دھونا۔

(4)۔ بدن سے نجاست دور کرنا اور بدن کو ملنا۔

(5)۔ مسواک کرنا۔

(6)۔ سارے بدن پر تین بار پانی بہانا۔

غسل کے مستحبات

یعنی وہ آداب جن کا اہتمام کرنا غسل میں مستحب ہے۔

(1)۔ ایسی جگہ نہانا جہاں اوٹ ہو اور کسی کی نظر نہ پڑے اور کھڑے ہو کر نہانا ہو تو تہہ وغیرہ باندھ کر نہانا۔

(2)۔ دائیں جانب کو پہلے اور بائیں جانب کو بعد میں دھونا۔

(3)۔ پاک جگہ نہانا۔

(4)۔ نہ اتنا زیادہ پانی گرانا کہ اسراف ہو اور نہ اتنا کم کہ بدن پوری طرح نہ بھیگ سکے۔

(5)۔ بیٹھ کر غسل کرنا۔ (جاری ہے)۔(ماخوذ از آسان فقہ)

سلام و پیام

☆ سالانہ اجتماع

الحمد للہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع پروگرام کے مطابق 24 تا اپریل 1998ء مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں منعقد ہوا۔

☆ اظہار تشکر

مختلف مقامات سے برادران سلسلہ نے خطوط کے ذریعے سالانہ جلسہ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے والے بھائیوں کے پر خلوص جذبہ کی تعریف فرمائی ہے اور ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے آمین۔

☆ تعمیر ملت نیا ایڈیشن

الحمد للہ تعمیر ملت کی کمپیوٹر کمپوزنگ کروا کر از سر نو طباعت کروائی گئی ہے۔ یہ مجلد ایڈیشن ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہو گیا ہے۔ ملک کے نامور ادیب اشفاق احمد صاحب نے قبلہ حضرت بانی سلسلہؒ کا تعارف بھی تحریر فرمایا ہے۔

☆ سالانہ خطبہ

سالانہ اجتماع کے موقع پر شیخ سلسلہ جناب محمد صدیق ڈار صاحب نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے "خیر الامت کا نصب العین" کے عنوان سے چھپوا لیا گیا اور اسے ماہ مئی کے مجلّہ کا نعم البدل قرار دیا گیا۔ جن بھائیوں کو خطبہ کی کاپی ابھی تک موصول نہ ہوئی ہو وہ مدیر مجلّہ سے رابطہ کریں۔

بانی سلسلہ کی تصانیف

”حقیقت وحدت الوجود“ یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر باعث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

- ☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے
- ☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح
- ☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے
- ☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
- ☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے
- ☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
- ☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں
- ☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہہ
- ☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت ازبام کر دی گئی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔